سائرہ رضا

آہ!

"ماؤں کے ارمان بدنام ہیں۔ ادھر ماں بے چاری کو کسی نے موقع ہی نہیں دیا۔ صاحب زادے کے اپنے ارمان ہی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے۔ بلکہ ارمان بھی کیا صاف صاف شرائط ہی کہیے۔" اماں جان کا لہجہ شکووں سے بھرپور اور جلا کٹا تھا۔

"تم زیادہ ہی بدگمان ہو گئی ہو۔ ہوتے ہیں اپنی لائف پارٹنر کے حوالے سے خیالات و تصورات۔ اور اس میں کوئی برائی بھی نہیں۔" ڈیڈ نے لبرل ڈیڈ ہونے کا ثبوت دیا۔

"ہماری بیٹیاں نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بے شرم بن جائیں۔ احساس ہی نہ کریں۔ دنیا کا مشکل ترین کام ہوتا ہے کہ کسی کے گھر جا کر کھائیں، پئیں، امید دلائیں اور ہاتھ جھاڑ کر آ جائیں۔"

"اللہ نہ کرے کہ ہم کسی بچی کی تضحیک یا دل آزاری کا باعث بنیں۔" ڈیڈ سنجیدگی سے سیدھے ہو بیٹھے۔ "خاموشی سے گرد و پیش پر نظر دوڑائے۔ سا تنا اللہ وسیع حلقہ احباب ہے اور ایک سے بڑھ کر ایک اچھی قابل بچیاں بھی ہیں۔"

"یا قابل ہیں۔ ایک سے ایک اچھی۔ مگر آپ کے صاحب زادے کو فل پیکج چاہیے۔ ہائی کوالیفائیڈ۔ اچھے ادارے سے پڑھی لکھی بلکہ کیس باہر کی بھی ڈگری لے رکھی ہو۔ عمر چھبیس سے زیادہ نہ ہو۔ خوب صورت اتنی ہو کہ حور لگے۔ دراز قامت تو لازمی۔ خوش لباس ہو۔ ماڈرن بھی شرمیلی بھی۔ سلیقہ شعار اصغری سی اور کھانے تو ایسے بنائے کہ انگلیاں چاٹتے رہ جائیں۔ مہمان نواز۔ خوش گفتار ایسی کہ بات کرے تو منہ سے پھول جھڑیں۔ اور یہ بیٹھ کر مجھتا ہے۔"

"اتنی تمہید کیوں باندھ رہی ہو۔ سیدھے سیدھے کہو۔ مارننگ شو ہوسٹ سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ گدھا۔"

مکمل ناول

"تو جی۔ آپ صرف سن کر بھڑک اٹھے اور مجھے ڈھونڈنی ہے۔ تو کچھ وائز کہہ کر گیا ہے۔ اچھی بھرنہ سرکے گی۔" جو پریشانی پہلے اماں کے چہرے پر تھی اب وہ ڈیڈ کے منہ سے بھی جھلکنے لگی۔

"اسے کہو خود ہی ڈھونڈ لے۔ ہم قبول کرلیں گے۔ اگر مل جاتی ہے تو۔ یعنی کہ حد ہوگئی۔ ایک ہم تھے، جو ماں نے لادیا خاموشی اور صبر سے قبول کرلیا۔ گھونگھٹ کھولنے کے بعد شکل دیکھی۔ ہفتہ بھر تو بیگم کی شکل یاد کرنے میں لگ گیا۔ کتنی ہی خواتین کو بیگم سمجھ کر مخاطب کرلیا۔"

"ہیں۔ کیا؟" زور و شور سے سرہلاتی اماں جان نے جملے کی گہرائی کو جب جانچا تو ہیں۔ ہیں کرتی رہ گئیں۔

✿ ✿ ✿

خود ڈھونڈنے والی ہدایت عاشر کو پریشان کرگئی۔ خود کیسے ڈھونڈے۔ کیا اخبار میں اشتہار دے۔ ٹی وی پر پٹی چلوادے؟

"تم تو خوش نصیب ہے جو کھلی چھوٹ مل گئی۔ ورنہ خود ڈھونڈ لینے والی بات پر تو ماؤں کو ہارٹ اٹیک ہوجاتے ہیں۔" ابوذر نے روشن پہلو دکھایا۔

"اور ہمارے گریٹ ڈیڈی نے تو نشان منزل بھی دے دیا۔ سیدھا سیدھا مارننگ شو ہوسٹ۔ ویسے مجھے نہیں پتا تھا۔ آپ اتنے انسپائرڈ ہیں مارننگ شو ہوسٹ سے۔"

تیمور نے بھی حصہ لیا۔ ابوذر نے زور و شور سے تائیداً سرہلایا۔ عاشر کو گویا پتنگے لگ گئے۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا مگر ابوذر کچھ کہہ رہا تھا چلو اس کی بھی سن لے۔

"بھئی اتنی خوبیوں کا مجموعہ مارننگ شو ہوسٹ ہوسکتی ہے۔ مگر وہ پچیس کی ہو یہ ناممکن ہے۔ ہاں وہ بار پچیس کی ہوسکتی ہے۔ تو پھر اتنی کوالیفیڈ کے بعد یہ چھوٹی سی کمی تو نظرانداز کی جاسکتی ہے؟" ابوذر نے دریا دلی کی حد کردی۔

"پچیس کی دو بار نہ سہی۔ وہ پچیس سال تک بلکہ مزید کئی سال تک پچیس کی رہ ضرور سکتی ہے۔" تیمور نے حصہ ڈالا۔

"اپنے بڑے بھائی اور بالخصوص بھابھی کا مذاق اڑاتے تمہیں شرم نہیں آتی۔" عاشر نے غیرت دلانے کی کوشش کی۔

"تو بھابھی کا تو میں ماں کی طرح احترام کروں گا مگر ایک بار وہ سامنے آئیں تو سہی۔" تیمور کا لہجہ احترام سے لبریز ہوگیا۔ "ابھی تو وہ نادیدہ ہیں۔"

"کیوں۔ کیوں نادیدہ کیوں؟" عاشر اچھلا۔ "ابھی دوپہر کو تو میں نے اسے دیکھا ہے۔"

"کیا؟" ابوذر اور تیمور ہم آواز چلائے اور ایک دوسرے کو دیکھا۔

"تو اتنی دیر سے میں کیا بکواس کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔" عاشر نے دانت پیسے۔

✿ ✿ ✿

پھوپھو شاہ جہاں آرام کرسی پر براجمان تھیں۔ ٹانگیں سیدھی کرکے اسٹول پر دھری تھیں۔ آج جمعہ تھا اور ہیلتھ پلان کے تحت جمعے کو وہ ایلوویرا ڈے مناتی تھیں۔

ٹراؤزر کے پائنچے گھٹنوں تک اٹھا رکھے تھے۔ ایلوویرا (گھیکوار) کا پیلا جیل گھٹنوں اور ٹخنوں پر مل رکھا تھا۔ چہرے پر بطور ماسک لگایا تھا اور بالوں کی جڑوں میں بھی ماسی سے خوب گھس گھس کر لگوالیا تھا۔ وہ تھکن سے لڑھک کر شانے پر گری پڑی تھیں۔ یعنی وہ سوچکی تھیں۔

بیا نے اس بات کو بھانپ کر اپنے تیز تیز چلتے ہاتھوں کو ہلکا کرلیا۔ مبادا تیزی میں آوازیں پیدا ہونے لگیں اور ان کی نیند خراب ہو۔ وہ فریج میں سامان چیک کررہی تھی۔ کیا کیا موجود ہے اور کیا لانا ہے۔

ساتھ ہی اس نے ایک بڑی پلیٹ بھر کے ککڑیاں کاٹ رکھی تھیں۔ جنہیں وہ مسلسل کھاتی جاتی تھی۔

کمرے میں در آنے والی خاموشی بری طرح محسوس ہونے لگی اور اس سے زیادہ بری آواز ککڑی کی کڑکڑ تھی۔

ایک کوکنگ میگزین میں بری طرح غرق آنزہ نے شعوری کوشش سے اپنی توجہ ہٹانی چاہی تھی مگر آواز زیادہ تیز اور لگاتار تھی۔ بیا کا مسئلہ تھا۔ وہ سخت ڈائٹ کانشس تھی۔ تول تول کر کھاتی تھی۔ سارا وقت انگلیوں کی پوروں پر انگوٹھے کی مدد سے کیلوریز گنتی پائی جاتی۔ اتنا کھانے سے کتنا بڑھ گئیں۔ اتنا کام کرنے سے کتنی جل گئیں۔ انجان بندہ نوجوانی، حشر سامانی کے زمانے میں لڑکی کی اس حالت کو دیکھ کر اش اش کراٹھتا۔ اتنی خوف خدا کرنے والی لڑکی۔ ورنہ آج کل کی لڑکیاں تو۔

اس نے بیا کو دیکھا جو کام روک کر ایک بار پھر انگوٹھے کو تیز تیز انگلیوں پر چلا رہی تھی۔ آنزہ نے غیر محسوس انداز میں بیا کی طرف والے کان میں انگلی ڈال کر میگزین عین چہرے کے سامنے کرلیا کہ شکل بھی نظر نہ آئے۔ مگر۔

بیا ایک بار پھر انگلیوں کا تیا پانچہ کررہی تھی۔ آنزہ نے دانت پیسے۔ جیسے زیادہ سمجھتی تھی۔ وہ دراصل فکر تھی۔

اس کے علاوہ بیا کا ایک دوسرا کام بھی تھا وہ ایکسرسائز کی تھی۔

"کیا آج بھی کچھ نہیں پکے گا۔ میرا مطلب ہے سالن روٹی وغیرہ۔" ایرا کی بے زار سی آواز پر آنزہ اور بیا بری طرح چونکی تھیں۔ ساتھ دونوں نے تنبیہی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھوپھو کو بھی کہ "آہستہ پھوپھو سو رہی ہیں۔"

ایرا نے باقی کے سوال حلق ہی میں گھونٹ لیے اور صبح کی روٹی کا بچا آدھا ٹکڑا اٹھا کر دکھایا۔ انداز میں بے بسی تھی کہ کیا کھاؤں۔ وہ کچن میں دیکھ کر آئی تھی۔ ایک چولہے پر چکن ابل رہی تھی دوسرے پر آلو۔ ڈھیر ساری کٹی سبزیاں ڈھکی رکھی تھیں۔ دن کے بارہ بج رہے تھے اور اس گھر میں ہانڈی چڑھانے کا کوئی ارادہ تک نہ تھا۔

شاہی پھوپھو کا آج ایلوویرا ڈے تھا۔ انہوں نے اٹھ کر بکرے کے گوشت میں ایلوویرا کا گودا ڈال کر بھون کے روٹی سے کھالیا تھا۔ جسم کے دردوں کے لیے اکسیر نسخہ۔ گھٹنوں، ٹخنوں کے آرام کے لیے جیل مل کر بیٹھی تھیں۔ چہرے کی چمک کے لیے منہ پر مل رکھا تھا۔ بالوں کی صحت کے لیے جڑوں پر۔

ایرا وہ کڑوا کسیلا سالن نہیں کھاسکتی تھی۔ ہاں پھوپھو اگر تھوڑا سا قیمہ بنا دیتیں تو۔ اور وہ بنا ہی دیتیں۔ مگر ابھی تو وہ سورہی تھیں۔ پھر اٹھتیں۔ پھر جمعہ کی نماز۔ پھر کہیں جاکر کھانے تک آتیں۔ تو کیا اس وقت تک ایرا بھوکی رہتی۔ بیا نے تو کڑکڑ کرکے اپنا پیٹ بھرلیا تھا۔ رہی آنزہ وہ لنچ کرتی ہی نہ تھی۔ جب آفس سے آتی تو کھاپی کرہی آتی۔

ایرا نے آگے ہو کر فریج میں جھانکا۔ مجال ہے اس میں انسانوں کے کھانے کے لیے کچھ ہو۔ بس بکریوں کے چرنے کا سامان۔ سلاد۔ سلاد اور بس سلاد بنانے کے سارے آئٹمز۔ بیا نے اشارہ کیا کہ وہ روٹی پر ککڑی کے چند ٹکڑے رکھ کر کھاسکتی ہے۔

"میں کوئی پاگل ہوں۔" ایرا نے جھٹکے سے کہہ کر اچار کی بوتل سے تین مرچیں روٹی پر رکھیں اور صوفے پر پیر اوپر رکھ کے ہاتھ میں پکڑے پکڑے کھانے لگی۔ آنزہ کو کھانے کا یہ طریقہ بہت برا لگا۔ اسے غصہ بھی سب سے زیادہ آنزہ پر ہی آتا تھا۔

"کیا فائدہ ایسی بڑی بہن کا۔ بھلے وہ کوکنگ ایکسپرٹ ہو۔ جب چھوٹی بہن صبح کی روٹی پر مرچوں کا اچار رکھ کے کھائے۔ میں بتاؤں گی ممی کو۔"

اس نے روہانسے لہجے میں شکایت کی۔ مرچوں کی تیزی نے آنکھیں پہلے ہی بھردی تھیں۔ آنزہ کو ترس کیا آتا غصہ اور پھر بہت زیادہ غصہ۔

"ممی کی بچی۔" آنزہ پھوپھو کی نیند بھی بھول گئی۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com

دانت پیس کر اسے دیکھا۔ "وہ دو جہازی پراٹھے اور وہ انڈوں کا آملیٹ کس نے بنا کر دیا تھا۔"

"وہ میرا ناشتا تھا اور شریف لوگوں کے گھر میں اس وقت لنچ بنتا تھا۔"

"اتنے ہیوی ناشتے کے بعد لنچ کی گنجائش رہ جاتی ہے کیا؟" بیا نے بھی حیرانی کا اظہار کیا۔

"میں بتاؤں گی ممی کو۔ یہ میری بہنیں ہیں۔ میرے نوالے گنتی ہیں۔"

"تو نوالے نہیں 'پراٹھے'" آمنہ نے تصحیح ضروری سمجھی۔ "یہ بڑے بڑے پراٹھے"

"اور وہ انڈوں کا آملیٹ بھی تو۔" بیا نے یاد دلانا ضروری سمجھا۔

"اور بہنیں ہوتی ہیں اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو کھلا پلا کر خوش ہوتی ہیں اور ایک میری بہنیں ہیں۔" وہ بس ہچکیوں سے رونا شروع ہی کرنے والی تھی۔

"چھوٹے 'بہن' بھائی۔" آمنہ میگزین پٹخ کر سیدھی ہوئی۔ "تم چھوٹی ہو 'اٹھارہ برس کی ہونے والی ہو۔ اور۔"

"اور بات ایسے کر رہی ہے کہ انجان بندہ سن کر سمجھے آٹھ نو برس کی بچی شکوے کر رہی ہے۔" بیا نے اور کے آگے بات کو مکمل کیا۔ آمنہ نے زور و شور سے سر ہلایا۔

"آپ لوگوں سے بہرحال چھوٹی ہوں۔"

وہ دکھ بیان کرتے ہوئے آٹھ سالہ بچی ہی لگ رہی تھی۔ لڑتے ہوئے اٹھارہ سال کی خرانٹ ہو گئی۔ انگلیوں پہ لگے اچار کے تیل کو ایک ایک انگلی منہ میں لے کر چاٹنا شروع کر دیا۔

آمنہ کا ضبط جواب دے گیا۔ پہلے نکڑوں کی کڑ کڑ۔ پھر مرچوں کی چرچر۔

"بند کرو یہ بدتمیزی۔ جا کر ہاتھ دھو گندی۔" وہ بڑی بہن بن کر دھاڑی۔

ایرا پر تو کیا اثر ہونا تھا۔ پھوپھو شاہ جہاں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔ آنکھ کھولنے سے پہلے ہوا میں دونوں ہاتھ لہرا کر کیا ہوا؟ کیا ہوا؟ کی گردان شروع کر دی۔ پھر اچھل کر کھڑی بھی ہو گئیں۔

اور ان کا ہڑبڑانا خوف زدہ ہونا کیا معنی۔ کہ جوان تینوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

گھٹنوں سے اوپر تک چڑھے پائنچے۔ گوری ٹانگوں پر پیلا جیل۔ ایک دم بول پڑنے سے چہرے پر لگا پیلا ماسک چٹخ گیا۔ سب سے خراب صورت حال بالوں کی تھی۔ جیل سوکھ جانے کے بعد تین انچ لمبائی کے بال چھت کی طرف اکڑ کر یوں کھڑے تھے جیسے کرنٹ لگنے سے کارٹونز کے ہو جاتے ہیں۔ تینوں ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں بے حال ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

"پہلی بار میں نے اسے کمپاؤنڈ ایریا کے گیٹ پر کھڑے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں یہ ڈھیر سارے وزنی شاپر تھے۔ انہیں ٹیکسی میں رکھنا بہت مشکل تھا اور بدتمیز ٹیکسی والا ہیلپ کرنے کے بجائے ہٹ دھرمی سے بیٹھا اپنے بال سنوار رہا تھا۔ تب میں نے آگے بڑھ کر اپنی خدمات پیش کر دیں۔ اللہ جانے کیا کیا بھرا تھا اس نے۔ پھر اس نے مجھے شکریہ کہا اور بس۔"

"پہلی نظر کی محبت۔" تیمور بھونچکا رہ گیا۔ "تم سی مڈبھیڑ میں جانچ لیا کہ یہی وہ خاتون مذکورہ ہیں۔ خوبیوں سے مرصع بے مثال و باکمال۔"

ابوذر کا چہرہ بھی تیمور کی تائید کر رہا تھا۔

"اونہوں۔ دوسری بار میں نے اسے بیس لفٹ کے انتظار میں دیکھا۔ پتا چلا لائٹ چلی گئی ہے۔ اس کے ہاتھ میں کچھ بیگز اور شاپر تھے۔ چوتھی منزل سے نیچے کیسے آتی۔ کسی بے حس انسان نے اس کی ہیلپ نہ کی 'تب مجبوراً' میں نے آگے بڑھ کر سامان نیچے اتارا۔"

"ایک بار پھر سامان۔" ابوذر چونکا۔ "وہ سیلز گرل تو نہیں؟"

"اونہوں۔" عاشر کو ٹوکنا بھی برا لگا اور قیافہ بھی۔

"تیسری بار وہ میٹرو میں نظر آئی۔ پانچ کلو تیل کی بوتل اٹھا کر ٹرالی میں رکھنا وہ بھی تھا تب۔" عاشر کے ہونٹوں پر مسکان اور آنکھوں میں اس کا چہرہ رقص کرنے لگا۔ جیسے وہاں رہا ہی نہیں کہیں اور پہنچ گیا۔

"تب ایک بار پھر آپ نے آگے بڑھ کر وہ بوتل اٹھا کر ٹرالی میں رکھی۔ آپ پارٹ ٹائم قلی کا کام بھی کرتے ہیں۔" تیمور نے حسن اتفاقات کے ایک جیسا ہونے پر دانت کچکچائے اور سوال بھی پوچھ لیا اور اس سے پہلے کہ عاشر 'تیمور کی طبیعت صاف کرتا ابوذر چلایا۔

"یہ وہی تو نہیں جس کو تو نے اپنا نمبر دیا 'بلکہ اس کی ٹرالی سے سامان اٹھا اٹھا کر کاؤنٹر پر رکھا اور بعد میں دوبارہ ٹرالی بھری اور پھر میں آوازیں دیتا رہ گیا کہ بل تو دے جا۔ خالی جیب کھڑا تھا میں۔" ابوذر نے دہائی دی۔

اسے وہ دن جزئیات سے یاد تھا۔ جب گھر کے کچھ ضروری سامان کی خریداری کے لیے عاشر اسے بھی گھسیٹ لے گیا اور اتفاقاً ابوذر اپنا والٹ گھر بھول گیا۔ اس نے دہائی دی کہ والٹ تو لینے دے۔ تب عاشر نے اپنی جیب تھپتھپا کر یقین دہانی کروائی۔ میں ہوں نا اور بعد میں محض ایک لڑکی کی خاطر اسے کاؤنٹر پر ذلیل و رسوا ہونے کے لیے چھوڑ گیا۔ جب سیلز مین نے بل بنا کر پیسے مانگے۔ تب اسے کہنا پڑا۔ بھائی آ کر دیتا ہے۔ پیچھے کھڑی لڑکیاں کیسے منہ پہ ہاتھ رکھ کر ہنسی تھیں۔ اتنا بڑا شیر جوان اور پیسے علی دے گا۔"

"ہاں۔ تو کیا تھا نا۔ وہ تیل کی بوتل جو اس سے ریک سے اٹھا کر ٹرالی میں نہ رکھی جاتی تھی۔ وہ گاڑی میں کیسے رکھتی۔ اتنی تو نازک سی تھی وہ۔"

"نازک۔" ابوذر چلایا۔ "اسے نزاکت نہیں کاہلی 'سستی اور ہڈ حرامی کہتے ہیں۔ یعنی میری اس دن کی ذلت کا احساس تک نہیں۔"

اس نے تیمور کو ہم خیال بنانے کی کوشش کی۔

تیمور نے زور و شور سے سر ہلایا۔

"بالکل۔ بالکل ایک لڑکی کی نظر میں اپنا امیج اچھا کرنے کے لیے کتنی لڑکیوں کی نظروں میں ابوذر کا امیج خراب کر دیا۔"

ابوذر کو اپنا دکھ نئے سرے سے یاد آیا مگر عاشر چکنا گھڑا بنا کھڑا تھا۔ مجال ہے جو ذرا اثر ہوا ہو۔

"اور جن لڑکیوں کا دکھ رو رہا ہے 'وہ کون سی پھپھو کی بیٹیاں تھیں۔ جانے دے اور عزت بے عزتی کا کیا۔ آنے جانے والی چیز ہے۔ آج ہے کل نہیں ہے۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
اور موم	راحت جبیں	750/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	600/-
[illegible]	فائزہ افتخار	250/-
[illegible]	فائزہ افتخار	300/-
میں سے عورت	فرزانہ عزیز	200/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	200/-
[illegible]	فوزیہ یاسمین	250/-

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32216361

"تو وہ جس کا سامان آپ مستقل ڈھو رہے تھے۔"

وہ کیا ماسے کی بیٹی تھی؟" تیمور ابوذر کا وکیل تھا۔

"او نسوں...!" عاشر کے چہرے پر تادیب کی سختی آن رکی۔ "ادب سے 'وہ بھابھی ہو گی تم لوگوں کی عنقریب۔"

"عاشر بھائی کے لیے چہرے پر کرختگی اور غائب ابا بھی کے لیے اتنی ملائمت شہد آگیں لہجہ۔" تیمور نے اس کھلے تضاد پر توبہ توبہ کی۔ کانوں کی لویں چھوئیں۔ ابوذر نے ایک طویل چہرے کے ذریعے تیمور کی تائید کی۔

"اور کوئی نام 'پتا گھر گلی نمبر؟" تیمور کو مزید دھیان آیا۔ اماں جان کو رپورٹ کرنی تھی۔

"وہ بھی پتا لگ جائے گا۔" عاشر کا چہرہ کھل گیا۔

"رہتی وہ یہیں کہیں ہے 'یا پھر کسی دوست رشتے دار کے گھر ملنے آئی ہے۔"

"مجھے تو لگتا ہے اس کی کہیں پرچون کی دکان ہے۔" ابوذر بولا۔

عاشر نے اسے گھور کے دیکھا۔ ابوذر نے گھبرانے کی اداکاری کرتے ہوئے صفائی دی۔

"جتنی اس کی ٹرالی بھری ہوئی تھی اور جیسے وہ سامان ڈھوتی ہے۔ اسی بنا پر کہہ رہا ہوں۔"

"ہاں واقعی کوئی باپ بھائی نہیں ہے گھر میں سامان خریدنے کے لیے۔" تیمور بھی بولا۔

عاشر سوچ میں پڑ گیا۔

☆ ☆ ☆

شاہی پھوپھو کی عزیز از جان دوست تشریف لا چکی تھیں۔ آمنہ نے آداب میزبانی سے قطع نظر محض پھوپھو کے خوف سے چائے پر اہتمام کیا تھا۔ فروٹ چاٹ مع میکرونی اینڈ مایونیز شیشے کے ڈونگے میں سجا تھا۔ رنگ برنگے پھل۔ چکن نگٹس کی بھری ٹرے۔ کیچپ کے ساتھ پھوپھو کی فیورٹ گرین چٹنی۔ آم کے جوس میں سیون اپ ڈال کر بنائی جانے والی ڈرنک 'وائن گلاسوں میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

ٹیبل پر بھی تمام چیزیں ہیا کی پسندیدہ تھیں اور پھر جب بنائی ہوں آمنہ نے تو کیا ہی بات۔ لیکن چونکہ شدید ترین ڈائٹ کانشس تھی سو اس نے ایک مٹ بڑی پلیٹ سلاد کی کھائی۔ اور بعد میں ان چیزوں کو ٹرالی کرتی رہی۔ پھر ایکسرسائز تو منہ کا چسکا بھی پورا ہو جاتا اور چربی بھی نہ چڑھتی۔

آمنہ کے ساتھ وہی مسئلہ تھا جو ہر دوسرے پکانے والے کے ساتھ ہوتا ہے کہ پکاتے وقت محض خوشبو ہی سے دل بھر جاتا۔ پھر کچھ بھی چکھنے کو دل نہ کرتا کہ طبیعت سیر ہوتی۔

خوشی کا دن صرف اراو کے لیے تھا۔ اس نے زندگی میں کوئی روگ نہ پال رکھا تھا کہ جھوٹ موٹ منائی۔ سو جی بھر کے بھر بھر کے پلیٹیں کھائی تھیں۔ آمنہ نے گھڑی دیکھی۔ اراو کے آنے میں کچھ دیر تھی اور خود اس کے جانے میں بھی۔ اسے ابھی تیار بھی ہونا تھا اور دیگر تیاریاں بھی کرنی تھیں۔

شاہی پھوپھو شاہانہ انداز بے نیازی سے صوفے پر براجمان تھیں اور دوست سامنے صوفے پر بیٹھی تھی۔

جب اراو نے اندر قدم رکھا تب مارے خوشی کے باچھیں چری ہوئی تھیں اور اپنے عین سامنے پھوپھو کی دوست کو دیکھ کر تو آنکھیں خوشی سے مزید اور بھی چمک اٹھیں۔ مگر دوسری طرف سب کی خاص کر آمنہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے یہ تو کہا تھا کہ اس کی دوستوں کو "پھوپھو کی دوست" سے ملنا ہے۔ مگر دوستیں اتنی ساری ہوں گی یہ کسی کو اندازہ نہیں تھا۔ ہیا نے صاف ستھرے ڈرائنگ روم کو دیکھا جس کے ہر کونے میں سفید یونیفارم میں لڑکیاں ٹک گئی تھیں۔ کشنز پر۔ صوفے کی ہتھیوں پر۔ ایک دوسرے میں گھس گھس کر۔ ہیا نے چھت پر لگے پنکھے کو دیکھا۔ شکر وہ اوپر تھا۔ ورنہ تین کی جگہ وہاں بھی بن جاتی۔

ادھر دوستیں کبھی 'دوست آنٹی کو دیکھتیں کبھی آمنہ کو۔

دوست نے کھلتے فیروزی رنگ کا چکتا مشتا ڈھیلا ڈھالا سلک کا ایسا لبادہ زیب تن کیا تھا جو شانوں سے ٹخنوں تک لمبا تھا۔ گلے میں رنگ برنگی چھوٹے موٹے گول موتیوں کی مالائیں۔ یہ اینٹیک جیولری کے پیرہائش تھے۔ ویسے ہی کڑے موٹے ویٹ (اگر فیشن میں ان) ہاتھوں کی زینت تھے۔ انگلیوں میں بڑی بڑی انگوٹھیاں اور ناخنوں پر چمک دار نیل کلر۔ بال کٹے ہوئے تھے اور سنہری ڈائی تھی۔ بے حد پتلے ہونٹوں پر سرخ لپ اسٹک جیسے مار کرکے دو لکیریں کھینچ دی ہوں۔ (دائیں سے بائیں)

سب سے دلچسپ اور حیران کن شے آئی میک اپ تھا۔ دن کے ڈیڑھ بجے اسموکی میک اپ (یعنی پپوٹے سیاہ گھور رنگ سے رنگے ہوئے تھے۔)

دوستوں کو جب یہ اندازہ ہوا کہ یہ سارا اہتمام آمنہ نے کیا ہے تو وہ کھانے کی اشیا پر ٹوٹ پڑیں۔

آمنہ کے کالج میں وہ چار دوستیں تھیں۔ ان کے لیے انتظام تھا۔ مگر وہ اس بارات کو کہاں سے پورا کرتی۔ اس نے اراو کو گھورا جو "لو نا۔ تم بھی چکھو۔ ارے چکھی تو لو۔" جیسے الفاظ بڑی محبت سے بول رہی تھی۔

دراصل شاہی پھوپھو کی یہ دوست ماہر دست شناس تھیں۔ ساتھ ٹیرو کارڈ دیکھ کر حال مستقبل بتاتی تھیں۔ بچپن کی دلچسپی اور شوق اب پروفیشن بن چکا تھا اور وہ ہر ٹاک شو میں بلوائی جاتی تھیں۔ اب یہ علم سچا تھا یا جھوٹا۔ صحیح یا غلط۔ مگر ان کی کہی کچھ باتیں جب من و عن درست ثابت ہوئیں تو وہ راتوں رات سب کی توجہ کا مرکز بن گئیں۔ آمنہ ایسی باتوں کو مانتی نہیں تھی۔

لیکن ہیا کا ان سب باتوں پر آنکھ بند کرکے یقین تھا۔ آنٹی دست شناس نے اس سے کہا تھا کہ عنقریب اس کی زندگی میں خوابوں کا شہزادہ آنے والا ہے۔ ہیا کو دو اعتراض ہوئے۔ عنقریب کی جگہ درست ٹائم بتایا جائے۔ دوسرے خوابوں کا شہزادہ کیوں؟ بادشاہ کیوں نہیں۔

آنٹی دست شناس نے اتنے گہرائی سے پُر سوالوں کے جوابات سے مسکراتے ہوئے پہلو تہی کی اور ڈٹی رہیں کہ خوابوں کا شہزادہ ہی آئے گا۔

جب اراو نے اپنی دوستوں سے یوں ہی برسبیل تذکرہ آنٹی کا ذکر کیا تو وہ ملاقات پر اتنا مصر ہوئیں کہ آج کا دن آ ہی گیا۔

اب آنٹی دست شناس جو کسی بھی پروگرام میں مہمان کی حیثیت سے بھی آنے کی چند سو فیس چارج کرتی تھیں۔ اس وقت محض آداب دوستی نبھاتے ہوئے لڑکیوں کے گھیرے میں بیٹھی تھیں اور بدوقت مسکرا رہی تھیں۔ اس دوران شاہی پھوپھو مجال ہے جو ایک لفظ بولی ہوں۔ بس دیکھے جاتی تھیں۔

اوپر سے لڑکیوں کے سوال۔ کسی ایک آدھ بے چاری کو ہی کیریئر کی فکر تھی یا علم حاصل کرنے کی چاہ۔ سب کی سب نکمیوں نے دونوں ہاتھ آگے پھیلا رکھے تھے۔ (شکر آنٹی فقط دست شناس تھیں۔ لکیریں تو پیروں میں بھی ہوتی ہیں نا اور ان پگلیوں سے کیا بعید...)

کسی کے سوالات میں کچھ بھی نیا پن نہیں تھا۔ علم کھلا لپیٹ لپاٹ کر۔ ہونے والے "ان کے" نام کا پہلا حرف۔ ان کا کام اور... اور بعض بے حد شرمیلیوں نے دبی زبان میں بچے کتنے ہوں گے بھی پوچھ لیا۔ پھر تو جیسے لائن لگ گئی۔ جو اپنے منہ سے کوئی سوال بھول بھی جاتی۔ دوستیں اس کی ترجمان بن کر بڑھ چڑھ کر پوچھتیں۔

آمنہ نے شاہی پھوپھو کے کان میں سرگوشی کی۔

"اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ امپورٹنس جس لینگویج کو دی وہ تو عربی ہے۔ پھر لکیروں میں حرف انگلش الفابیٹس میں کیوں چھپائے؟"

"میرے بجائے یہ سوال کسی سے پوچھ لو اور یہ بھی پوچھنا کہ سارے حرف ایچ این ایم اے والی جیسے ہی کیوں بتاتی ہیں۔ کسی کا نام کیوں بی اور جی سے کیوں نہیں آیا؟"

آمنہ کی آنکھیں پھیل گئیں جب اتنا منہ توڑ جواب

دے سکتی ہیں تو انہیں کیوں بلوالیا۔

"ان سب کے کیسے جو پاگلوں کی طرح پیچھے پڑی ہیں۔" شاہی پھوپھو نے مسکراتے ہوئے پاگل بچیوں کو دیکھا۔ ایک لڑکی ہونقوں کی طرح آنٹی کا منہ دیکھ رہی تھی اور باقی سب کے قہقہے چھت کو چھو رہے تھے۔ وہ بے چاری بمشکل حیرت کے سمندر سے ابھری تو شرمندگی کی دلدل میں دھنسنے لگی۔

آنٹی نے سب بات بچے بتائے تھے۔

ایراد کا ضبط جواب دے گیا۔ آخر وہ سب کب فارغ ہوتیں اور اس کا نمبر آتا۔

ایراد نے اسے ہاتھ سے صوفے سے دھکیلا اور خود اپنے لیے جگہ بنائی۔

"آنٹی! چھوڑیں آپ ان سب کو۔ یہ سب پاگل ہیں۔ آپ میرا ہاتھ دیکھیں۔ میں ہینڈواش سے رگڑ رگڑ کر دھو کے آئی ہوں۔ تاکہ کوئی لکیر بھی چھپی نہ رہ سکے۔"

"تمہیں کیا پوچھنا ہے؟"

"آپ بس مجھے یہ بتادیں کہ میری زندگی میں شاہد آفریدی کی کیا جگہ ہے اور ہے بھی یا نہیں۔" سوال کے آخری حصے میں وہ دکھی بھی ہوگئی۔

"واٹ... شاہد... آفریدی..." بے یقینی کو آوازوں سے کمرا بھر گیا۔

"تمہاری لکیروں میں شاہد آفریدی کا کیا کام؟"

"بس کسی بھی طرح بتادیں کہ کیا میں کبھی اس سے مل سکوں گی، بات کرسکوں گی، مجھے پتا نہیں کیوں لگتا ہے۔ ہمارے درمیان کچھ ہے۔"

"درمیان کا تو پتا نہیں 'مر پر میرا ڈنڈا' ضرور ہے۔ یہ کوئی سوال ہے؟" شاہی پھوپھو کو شاہانہ جلال آگیا۔

"اوہو شاہی... دیکھئے تو وہ سب روایتی سوال کررہی تھیں۔ اسی بچی نے تو کچھ الگ پوچھا... ویری انٹرسٹنگ کوئسچن... کتنا مارجن ہے اس میں۔"

آمنہ نے دانت پیسے اسے... دیر ہو رہی تھی مگر وہ جواب کے لیے رک گئی تھی۔

آنٹی دست شناس نے اپنا سر اٹھایا' ان کے چہرے پر فاتحانہ چمک تھی۔

"میں نے تم دونوں کا الگ الگ حساب لگایا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ زندگی میں ایک ایسا مقام آئے گا جب تمہاری وجہ شہرت شاہد آفریدی ہوگا۔" آنٹی نے ڈرامائی وقفہ دیا۔

"اور اس کی وجہ شہرت ایراد ہوگی۔ یعنی دونوں کو ایک ساتھ لیا جائے گا۔"

"کیا؟" ایراد کے دونوں ہاتھ کھلے منہ پر تک گئے۔ بے یقینی سی بے یقینی۔ شادی مرگ کی کیفیت... بچی نے تمام لڑکیوں کو بھی دنگ کردیا تھا۔ یہی کیفیت پیا اور پھوپھو کی بھی تھی کہ ایراد کو شاہد آفریدی پسند تھا۔ اس نے کمرے میں اس کے بڑے بڑے پوسٹرز لگا رکھے تھے۔

مگر آج یہ سوال... اور اس کا جواب۔

"ارے سن نینی... یہ جو تم لوگ ہوتے ہو پامسٹ وغیرہ۔ تم لوگوں کا علم پہنچا ہوا ہوتا ہے نا... چہرہ شناسی کے فن میں تم لوگ ماہر ضرور ہوتے ہو۔ بچی کے چہرے سے اندھا بھی جان لے کہ وہ کیا جواب چاہتی ہے... اب تم سچ بولو... علم کچھ کہہ رہا ہے یا تم نے بچی کو چپ کرا دیا ہے۔"

"افف... یہ بے تکلف جگری بچپن کی دوست تھی دست شناس نے کراہ کر سوچا۔

"اگر دل رکھنے اور چہرہ شناسی والی بات ہوتی۔ سالوں پہلے کسی کو یہ نہ کہہ دیتی کہ وہ کبھی نہ کبھی عباس کو پالے گی... اس وقت حالانکہ میرا علم اور تجربہ اتنا ایکوریٹ بھی نہ تھا۔ مگر میں نے صاف صاف بتادیا تھا۔ نہیں بی بی نہ... ظہیر عباس کو بھول جا... وہ کبھی نہیں مل سکتا۔"

نینی نے بڑے ہی ڈھکے چھپے الفاظ میں شاہی پھوپھو کی بولتی بند کردی۔ ساتھ ہی آنکھوں ہی آنکھوں میں جتایا۔ بچی نے پھوپھو کی بھی سن لی تو جانا تھا نا۔ شاہی پھوپھو گڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔

"اف یہ بے تکلف جگری بچپن کے دوست۔"

"تو کیا ایراد کی شادی ہوگی آفریدی سے؟" ایک دوست نے دبی آواز میں رشک حسد سے تڑپتے لہجے میں سب کی ترجمان بن کر پوچھا تھا۔ نینی کی گردن نفی میں ہلی۔

"مجھے بس یہیں تک بتانا تھا۔"

سب سہیلیوں کے چہرے پر کسی حد تک طمانیت پھیلی۔ ادھر ایراد کا دل غوطے کھانے لگا۔

☼ ☼ ☼

ایراد کی سہیلیاں ہنستی مسکراتی اپنے مستقبل کا حال پوچھ پاچھ کر آمنہ اور نینی سے آٹوگراف لے کر روانہ ہوگئیں۔ آمنہ آفس سدھاری۔ پیا اور ایراد دوپہر کو سوتی تھیں۔ شاہی پھوپھو نینی کو لے کر کچن میں آگئیں۔

"سب کچھ بچیاں ہی کھا گئیں۔ اب تم بتاؤ تمہارے لیے کیا بناؤں؟"

"کچھ بھی نہیں بس ایک کپ چائے۔"

"صرف چائے۔ اتنے عرصے بعد تو ملی ہو مصروف بھی کتنی ہو گئی ہو... کبھی اس چینل پر اور کبھی اس پر۔"

"ہاں مصروفیت..." نینی نے سر کو جھٹکا جیسے کہ بہانے سے... یہ بھی نہ ہوں تو مر جاؤں۔"

"ابھی تو بچیوں کی باتوں پر ہنس رہی تھیں اور ابھی اتنی مایوسی۔"

"وہ ہنسی اور باتیں تو ہفتوں یاد رہیں گی۔" نینی کا لہجہ جانے والا ہو چکا تھا۔

"کتنا اچھا ہوتا ہے نا شاہی یہ دور زندگی کا... کہ سوال... حرف... ہیں... ابھی ہیں برس کا... جو چاہتے ہیں پالیتے ہیں... کہہ لیتے ہیں... سن بھی لیتے ہیں... کوئی کچھ بھی کہہ لے 'برا لگتا ہی نہیں' اور اب تو کوئی مسکرا کر بھی دیکھے تو سو معنی تلاشتے ہیں کہ مسکرایا تو کیا سوچ کر مسکرایا... کیوں مسکرایا۔"

"اتنی شدید مایوسی۔" شاہی پھوپھو دوست کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔ ٹیبل پر دھرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"مایوس نہیں ہوں۔" نینی نے شاہی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا۔ "بس یوں ہی خیال آیا کہ اگر اللہ مجھے اولاد دیتا' بیٹا... بنی تو لگ بھگ اتنی ہی عمر کے ہوتے نا کالج میں فرسٹ ایئر' سیکنڈ ایئر۔"

"ہوں۔"

"تمہارا بیٹا بھی اسی ایج گروپ کا ہے نا۔" نینی نے یکدم کہہ دیا۔ "فرسٹ ایئر میں ہی ہوگا۔" شاہی نے ہاتھ کھینچ لیا۔

"میں چائے رکھ دوں۔ کباب بھی فرائی کرلیتی ہوں۔ چٹنی آمنہ نے تیار کررکھی ہے۔"

شاہی پھوپھو نے جواب دینے کے بجائے آلتو فالتو کے جملوں کا ڈھیر سا لگا دیا۔ جواب نہ دینے سے سوال کی اہمیت گھٹتی نہیں ہے۔ وہ اپنی جگہ مستحکم رہتی ہے اور جس سوال کا جواب نہ ہو۔

"فرسٹ ایئر میں کون ہے یا ہوگا... پتا نہیں 'میرا بیٹا' تو ففتھ گریڈ میں پڑھتا ہے۔" شاہی پھوپھو کا چہرہ مردے کی طرح سفید لگنے لگا۔

"بچکانہ بات ہے شاہی! وہ اب تک ففتھ گریڈ میں ہوگا۔"

"بچکانہ بات نہیں ہے۔ کبھی بند گھڑی کو دیکھا ہے' جہاں سیل ختم ہوں وقت اور تاریخ وہیں رک جاتی ہے... دنیا بھر کی گھڑیاں جتنا مرضی آگے سرک جائیں' گھنٹوں' مہینوں' سالوں... بند گھڑی وہیں کی وہیں رکی رہتی ہے... وہی تاریخ' سال' سیکنڈز اور منٹس۔ میرے دل کی دیوار پر لگی گھڑی سالوں سے ایک وقت' تاریخ اور دن پر ٹھہر گئی ہے۔ مجھے کبھی وقت آگے بڑھا ہوا لگا ہی نہیں۔"

"یہ خود اذیتی ہے۔ تم کس سے انتقام لے رہی ہو' خود سے۔" نینی کا لہجہ دکھی تھا۔

"بے حد عملی زندگی میں بے عملی کے چند لمحے' دل کے لمحے جو کسی سے انتقام نہیں لیتے' وہ خود سے لیتے ہیں اور... پلیز اب اور کچھ نہ بولنا۔"

شاہی کا جملہ اور چہرہ قطعیت کا ترجمان بن گیا۔ نینی کو چپ ہونا پڑا۔

http://readingscornerpk.blogspot.com

"ثمیا کب آئی؟" نینی نے موضوع بدلا۔

"ثمین ماہ ہونے والے ہیں۔ اپنی اماں سے لڑ کر آئی ہے۔ کہتی ہے اب یہیں رہے گی۔"

"کیوں۔ اور لڑائی اپنی اماں سے۔؟" نینی حیران ہوئیں۔

"ہاں وہ اس کے رشتے کے لیے پریشان ہے۔ وزن جو زیادہ ہے۔ رشتے کروانے والی عورتیں چند دیکھ کر موٹے بھگرے رشتے لاتی ہیں جو عمر کے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اس نے اس سے کہا۔ وہ موٹی ہے مگر لڑکی ہے اور لڑکے سے شادی کرے گی۔ آدمی سے نہیں کرے گی۔ ماں اس دن سے ہر کسی سے پوچھتی پھرتی ہے لڑکے اور آدمی میں کیا فرق ہوتا ہے۔ میں نے کہا' بس دن آپ اس فرق کو سمجھ لیں گی میں آجاؤں گی۔ میرے جسم پر چربی چڑھی ہے' دماغ اور دل پر نہیں۔"

"بہت خوب۔" نینی کو مزا آگیا۔ "تمہارے بھائی وغیرہ مان گئے؟"

"ہاں۔ منوانا آتا چاہیے اور وہ آج کی نسل کو آتا ہے' ہماری طرح تھوڑی۔" شاہی پھوپھو کا چہرہ ایک بار پھر بجھنے لگا۔ آگے نہ بول سکیں۔

"آمنہ نے ماشاء اللہ بہت ترقی کرلی۔" نینی نے تیزی سے موضوع بدلا۔

"ہاں۔ ماشا اللہ۔ دبئی سے یہاں آتے ہوئے بڑے تحفظات کا شکار تھی۔ اب تو سب سیٹ ہے اور ایراد تو شروع سے مجھ سے الیچ ہے ہی۔ بھائی اکیلے بیچنے پر متامل تھے۔ پھر فلیٹ بھی اپنا تھا۔ میں نے کہا' میں ساتھ رہوں گی اور اب لگتا ہے سالوں سے رہ رہی ہوں۔"

شاہی پھوپھو نے ٹرے تیار کر کے ٹیبل پر رکھی۔

"اور یہ تم نے آج ایراد کو کس لائن لگادیا۔ حد کرتی ہو تم بھی۔"

"بھئی' میں تو پہلے ہی کہتی ہوں۔ میرا علم حتمی نہیں۔ یہ تو حساب کتاب ہے۔ جو میں نے لگایا۔ عالم الغیب تو اوپر والے کی ذات ہے اور زیادہ تر لوگ تو پامسٹری کو جسٹ فار انجوائے منٹ ہی لیتے ہیں۔"

انھوں نے ہنس کر کہا۔

شاہی پھوپھو نے ہنسی میں ساتھ دیا اور ساتھ ہی کباب کی پلیٹ بڑھائی۔ نینی نے پلیٹ پکڑ کر اپنے نزدیک رکھی اور ہاتھ پکڑ لیا۔

"تمہارا ہاتھ دیکھوں شاہی۔ تمہیں کتنا شوق تھا مستقبل کے بارے میں جاننے کا۔"

"فضول محنت کروگی۔" شاہی پھوپھو نے ہاتھ نرمی سے کھینچ لیا۔ "میرے ہاتھ میں خوشیاں نہیں ہیں۔" نینی ان کی شکل دیکھ کر چپ ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

تیمور کے ہاتھ کا پکا گوشت کا سالن ابوذر تو خاموشی سے کھا رہا تھا۔ جبکہ عاشر ہر لقمے پر تیمور کے لیے وہ الفاظ کہتا کہ لکھیں تو کیسے۔

"اب اچانک یہ اتنی بڑی سخت بوٹی کہاں سے آگئی؟" عاشر بولا۔ اس نے روٹی کے نوالے کا دباؤ دے کر بوٹی توڑنے کی کوشش کی تو بوٹی پھسل کر آگے سرک گئی۔ بیالکا تو ٹی ہی نہ تھی۔

"ہاں۔ میری بھی یہ والی بوٹی کچی ہی سخت ہے۔" ابوذر نے بھی دو بوٹیاں سائیڈ پر کر رکھی تھیں۔

"دراصل ایک کلو گوشت چڑھایا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد تین بوٹیاں نکال کر چیک کیں کہ گلی کہ نہیں تھیں۔ بمشکل چبا میں۔ آدھے گھنٹے بعد پھر تین اور نکال لیں۔ وہ تھوڑی بہتر تھیں۔ اس کے بیس منٹ بعد بچے گئے نکال لیں۔ وہ گل چکی تھیں۔ جب مسالا بھونے لگا تو گنتی کی چار پانچ بوٹیاں بچی تھیں۔ سو جلدی سے آدھ کلو کا ایک اور پیکٹ ڈال کر۔"

"تو چکھتے چکھتے سارا گوشت کھا گیا؟" عاشر چلایا۔ منہ ابوذر کا بھی کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

"پیٹ ہی بھرتا ہے نا آپ لوگ مسالے کھالیں۔" تیمور خود بھی یہی کر رہا تھا۔

"ہاں مسالا تو مجھے بڑا مزے دار بنایا ہے نا؟" ابوذر نے لقمہ نگل ہی لیا تھا۔

"تو پھر کرلیں کسی خانساماں کا بندوبست۔ میں کیا

باہی لگا ہوں یا تم لوگوں کی امی ہوں۔" تیمور نے ابوذر کو گھورا۔

"امی تو ہو نہیں سکتا اور میری ماں تیری جیسی موچھوں والی ہو۔ میرے ابا کا ذوق اب اتنا بھی گرا ہوا نہیں۔ بھلے سے وہ تم جیسوں کے چچا ہوں۔"

"وہ تم جیسے کے ابا ہو کر فخر سے جی سکتے ہیں تو ہمارے چچا ہونے پر کیا انہیں پتھر پڑیں گے۔" تیمور نے غصے کا جواب غصے سے دیا۔

"آپس میں لڑنے کے بجائے اس مسئلے کا حل سوچو۔" عاشر نے سربراہ کی حیثیت سے اصل مسئلے کی جانب آنے کا اشارہ دیا۔

"ایک اچھے کک کی تلاش۔" ابوذر نے بات ختم کی۔

"اور ایک بہترین کام والی ماسی۔" عاشر کو صفائی کا خیال تھا۔

"ماسی چھڑوں کے گھر کام کرنے نہیں آتی۔" تیمور نے نکتے کی بات کی۔

"ہم خدانخواستہ ہمیشہ چھڑے تھوڑی رہیں گے۔" عاشر کو تیمور کی بات بددعا کی طرح لگی۔ ساتھ ہی وہ نازک حسینہ بھی یاد آگئی۔

بددعا والے خیال پر ابوذر کا دل بھی سکڑا "خدانخواستہ" کرے۔

"تو اماں جان کی بات مان کر سیدھے سیدھے شادی کر کے اپنے گھر بسائیں۔ میری بھی جان بخشی ہو۔"

"مجھے میری پسند کی لڑکی اب تک ملی نہیں۔" ابوذر نے دکھی لہجے میں کہا۔

"اور مجھے تو بس اسی اسٹور والی سے کرنی ہے۔" عاشر کسی ہٹیلے بچے کی طرح ٹھنکا۔

"بس تو پھر ہو گئی شادی۔ تم طویل رخصت لے کر شہر شہر گلی گلی گھومو جب تک خیالی محبوبہ نہ ملے اور آپ شہر کے ہر بڑے چھوٹے سپر اسٹور کے کاؤنٹر پر گھومنا شروع کردیں۔ بلکہ ہر سپر اسٹور کے باہر دن کا کھو کھا کھول لیں۔ ٹیکسی ڈرائیور بن کر انتظار کریں۔ آئے گی تو وہ وہیں۔" تیمور نے جل کر

حقیقت بیان کی۔

عاشر ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلا گیا۔ چہرے پر ایک انوکھی مسکان آن رکی تھی۔

"مجھے یقین ہے' وہ مجھے مل کر رہے گی۔ دراصل اسے دیکھتے ہی میرے دل میں سیٹی سی بجی کہ وہی تو ہے جس کا۔"

"اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہمارے گھر کی بیٹی بھی صحیح وقت پر نہیں بجتی۔ بج جانے والی ہوتی تو آج میری ہانڈی کا یوں ناس ہوتا؟"

تیمور نے عاشر کی بے خودی کو دیکھتے ہوئے جل کر ابوذر کے کان میں سرگوشی کی۔

"میں تو ڈیڈ کو فون کر کے یہ بھی کہنے والا ہوں کہ جس بیٹے کی تعلیمی قابلیت' ذہانت' ہائی فائی جاب کے طعنے دے دے کر انہوں نے میری زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ وہ عنقریب ڈگریوں کو آگ لگا کر نوکری پر لات مار کے جنگلوں بیابانوں کی خاک چھاننے والا ہے۔ عشق جو ہو گیا ہے۔"

تیمور کے جملوں میں ہمدردی تھی۔ لہجہ کاٹ سے بھرپور۔

مجنوں جنگل میں اکیلا ہے' مجھے جانے دو خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں دیوانے دو

ابوذر نے زور و شور سے اثبات میں سر ہلایا۔

عاشر نے کچھ جواب نہ دیا۔ ساکت ہو گیا تھا۔ تیمور کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔

"بھائی۔ بھائی! کیا ہوا؟" وہ اچھل کر اس تک آیا۔ "ایسے پتھر کا بت کیسے بن گئے؟"

"کہیں کوئی بھوت تو نہیں دیکھ لیا۔" ابوذر بھی اٹھ کر آیا۔ کھڑکی کا پردہ آخر تک سمیٹ دیا۔

سفید گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بڑا ہینڈ بیگ رکھ کے دروازہ کھٹاک سے بند کر کے ایک لڑکی اب فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ رہی تھی۔ دور کچھ بچیاں رسی کود رہی تھیں۔ بینچ پر کچھ بزرگ براجمان محو گفتگو تھے۔ گاڑی گیٹ سے نکلی' روڈ پر چڑھی اور اگلے پل نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ ابوذر نے اس بات کو اہمیت نہ دی۔ وہ تو

بھوت کی تلاش میں نظریں دوڑا رہا تھا مگر عاشر کا سکتہ یک دم ٹوٹا۔

اس نے دونوں ہاتھ کھڑکی کی جالی سے باہر نکال کر زور زور سے ہلانے شروع کر دیے۔

"وہ وہی۔ تھی۔ وہی۔ وہ سپر اسٹور والی۔ نہیں وہ بریچوں والی نازک۔ نازک۔"

تیمور کے حیران بت میں جان پڑ گئی۔ اس نے عاشر کو پیچھے دھکا سا دے کر اپنا من بھر کا سر بمشکل جالی سے باہر نکالا۔

"وہاں تو کوئی نہیں ہے۔" تیمور کو بھائی کی دماغی حالت پر شک گزرنے لگا۔

"وہ وہی تھی۔ ابھی۔ ابھی وائٹ گاڑی میں نیلے لباس میں۔" عاشر کا صدمہ سے بھرپور لہجہ۔ "اور ایک بار پھر غائب ہو گئی۔"

"اسے تو میں نے بھی دیکھا تھا۔ ہٹ تیمور ہٹ۔" ابوذر اچھل پڑا۔

"کیسے ہٹوں۔ سر پھنس گیا میرا۔" تیمور کی آواز بھنچی بھنچی سی تھی۔ اس نے اتنی سی دیر میں کتنا سارا زور لگایا تھا۔

"میں ابھی نکالتا ہوں اپنے بھائی کو۔" ابوذر آستین چڑھا کر آگے بڑھا اور تیمور کے دونوں بازو پیچھے کر کے کھینچنے لگا۔ تیمور کی چیخیں نکل گئیں۔

"گردن پھنسوا کر اب تم لوگ مجھے بازوؤں سے بھی محروم کرو گے کیا؟"

"نکالو مجھے نکالو۔" تیمور خود بھی مقدور بھر کوشش کر رہا تھا۔ ابوذر نے اب دونوں بازو چھوڑ کر ایک بازو پکڑ لیا تھا اور اپنے باڈی بلڈر ہاتھوں سے اسے کھینچتا ہی جا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بتاتے تھے۔

"آج سر نکلے گا۔ یا بازو۔"

تیمور کوئی مشرقی حسینہ تھا جو جبر بھی سہتا اور چپ بھی رہتا۔ لہٰذا وہ چیخ رہا تھا۔ نیچے بزرگ کھڑے اوپر دیکھ رہے تھے۔

"بھائی! مجھے پھنسا کر بھائی کہاں چلا گیا۔" تیمور نے دہائی دی۔ "ڈیڈ نے مجھے اسی کے بھروسے تو شہر بھیجا تھا۔" تیمور یک دم بے چارہ سا ہو گیا۔

"کہیں نہیں گیا میں یہیں ہوں۔ یہ آری لے آیا ہوں۔ ابھی کاٹ دیتا ہوں۔" عاشر کو آخر بھائی کا خیال آ گیا تھا۔

"کیا۔ میرا سر۔"

"نہیں، نہیں یہ جنگلا۔" عاشر نے آری لہرائی۔

"پہلے میرا بازو تو چھڑا دیں اس بن مانس سے۔" عاشر چونکا۔ ابوذر کے بھینچے دانت (یا یہ رہے گا یا نہیں رہے گا۔ بازو۔)

"چھوڑ میرے بھائی کا بازو چھوڑ دے ابوذر!" دونوں کے بیچ بازو کے حصول کے لیے چھینا جھپٹی شروع ہو گئی۔

تیمور نے "یا اللہ مدد" کہہ کر آخری زور لگایا اور گھٹنوں کے بل زمین پر جا گرا۔ بازو ہاتھ سے نکل [illegible] اب منظر یوں تھا کہ عاشر اور ابوذر بغل گیر تھے اور بجائے شرمندہ ہونے کے ایک دوسرے کو مبارک باد دیے گئے تھے۔

تنگ پائنچے کی جینز پر [illegible] شرٹ [illegible] میں گلابی باریک بیل کی [illegible] بالا شانوں پر تازہ کٹنگ والے بکھرے بال [illegible]

۔ یہ ایراد تھی۔

سی گرین کلر کی جرسی کی پٹیالہ شلوار پر بند چاک والی جرسی ہی کی گھٹنوں سے اونچی بند دامن کی کلی قمیص 'بڑا سی بیلی سا کالا اور سی گرین دوپٹا شانے پر دھرا تھا۔ پیروں میں فلیٹ بند چپل سلور کلر کی۔ سلور کلر ہی کا اسٹائلش بیگ کلائی پر لٹکا رکھا تھا۔ کانوں میں بہت بڑے بڑے بالے سلیقے سے بنے بال اور میک اپ سے سجی تھی۔

دونوں گھر سے یوں نکلیں جیسے ماڈل ریمپ پر آتی ہیں۔ گردوپیش سے انجان شان بے نیازی سے چلا میں تھی منہ اٹھا کر چلتی جب وہ چوتھے فلور سے نیچے اتریں تو ہر کس ناکس نے ٹھٹھک کر انہیں دیکھا۔

بیا کی بیسٹ فرینڈ کی برتھ ڈے تھی۔ تیاری کے اپنے ہی قائم کردہ ریکارڈ توڑے۔ اب وہ منتوں ترلوں سے مانگی پھوپھو کی کار میں سفر کرنے کو تیار تھیں۔ مگر یہ کیا' گاڑی کے عین پیچھے ایک دوسری گاڑی پارک تھی۔ نجانے کس کی۔

"پہلے ہی دیر ہو رہی تھی اور اب۔"

"اب آپ کچھ کریں نا۔"

"میں۔ میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"آپ تو دعوے دار ہیں کہ ٹریفک جام میں گاڑی نکالنے میں آپ سے بڑھ کر کوئی ماہر نہیں۔"

"بالکل دعوے دار ہوں مگر اب یہ تو کم از کم نہیں کر سکتی کہ گاڑی کو چٹکی سے اٹھاؤں اور مین روڈ پر رکھ دوں۔ پتا نہیں کس جاہل نے اس طرح گاڑی جوڑ دی ہے۔"

بیا نے مذکورہ جاہل شخص کی تلاش میں چہار جانب نظریں گھمائیں۔ ان گناہ گار آنکھوں نے وہ دیکھا جس کو دیکھنے سے پہلے یا جس کے دیکھنے کا گمان۔ ہائے۔ مین روڈ کے چوک سے آنہ کی آفس وین نے ٹرن لیا تھا اور وہ لمحہ بہ لمحہ نزدیک آتی جا رہی تھی۔ خود پر "شوروا" چڑھایا بے نیازی کا خول دھڑ سے اتر گیا۔

دونوں ہونق صورت ایک دوسرے کو تک رہی تھیں۔ بھاگ جانے کی خواہش تھی۔ بیا کے لیے بھاگنا ویسے ہی مشکل تھا اور ایراد کے لیے اس لمبی ہیل میں چلنا مشکل تھا۔

سکتے کے اس پل کا خاتمہ ہوتے تک وین روڈ پر رک بھی چکی تھی اور اگلے ہی پل آنہ باہر آ جاتی۔

ایراد ہی نے جھک کر جوتا اتار کر ہاتھ میں پکڑا اور اگلے پل اندھا دھند دوڑ لگا دی۔ بیا' ایراد کے پیچھے سرپٹ دوڑی۔ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کا خوف جو تھا۔

اس دوڑ کو دیکھنے والے لوگ ششدر رہ گئے۔ خاص طور پر وہ جنہوں نے چند منٹ پیشتر ان دونوں کو نزاکت سے غرور سے منہ کا پاؤچ بنا کر نیچے اترتے دیکھا تھا۔ گرتی پڑتی ایراد نے پارکنگ کے بالکل آخر میں ایک مستقل کھڑی رہنے والی گاڑی کے پیچھے آکر پناہ لی۔ بیا نے بھی۔ دونوں کی نظریں مین گیٹ پر تھیں۔

جہاں سے آنہ جلوہ گر ہوئی۔ پیچھے ملازمہ جو آنہ کے بیگز اور باسکٹ کو بمشکل سنبھالے ہوئے تھی۔ آنہ حسب عادت بیگ کو پیچھے کی طرف لٹکائے اپنے مخصوص مغرور نک چڑھے انداز میں قدم بڑھا رہی تھی۔

بلو جینز کے ساتھ لمبا آسمانی کرتا اور اسکارف۔ مجال ہے جو ملازمہ سے ایک چیز پکڑ لے۔

نجانے کتنے ہی پل بیتے ان دونوں کو تو صدیاں گزر جانے کا احساس ہو رہا تھا۔ آنہ گھر کے اندر جا چکی تھی۔ مگر یہ کہاں جاتیں' گھر کے اندر؟ یا پیچھے رہتیں کہ گاڑی پھنسی کھڑی تھی۔ آگے کنواں پیچھے کھائی۔ اور اگر جو آنہ دیکھ لیتی۔ نہیں' نہیں دونوں نے جھرجھری لی۔

پھر شاید برا وقت ٹل گیا۔ پیچھے والی گاڑی کا مالک اندر سے برآمد ہوا' جیسے ہی اس نے اپنی گاڑی پیچھے کی۔ یہ دونوں اپنے بل سے بھاگتی ہوئی آئیں۔ سرعت سے بیا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ ایراد کے لیے دروازہ کھولا اور وہ جوتا ہاتھوں میں پکڑے پکڑے ہی سیٹ میں دھنس گئی۔ اس نے عجلت میں چابی گھمائی اور اندھا دھند باہر نکل کر گاڑی کو فل اسپیڈ پر ڈال دیا۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھا کہ ایراد مستقل دور ہوتے اپارٹمنٹ کو دیکھ رہی تھی اور دوری کا مستقل بڑھتا احساس چہرے کے رنگ اور حواس کو واپس لا رہا تھا۔

"خدا کا شکر بچ نکلے۔" ایراد نے پیر جھاڑ کر جوتے پہننے شروع کیے۔

"لیکن یہ آنہ اس وقت کہاں سے ٹپک گئی؟" بیا نے دانت کچکچا کر پوچھا تھا۔

"اللہ جانے۔ لیکن کیا اچھا نہ ہو کہ ہم ایک جوس پی لیں۔ توانائی کی بحالی کے لیے۔" بیا اس کی شکل دیکھنے لگی جو بالوں میں برش کر رہی تھی۔

"اب یہ کہنے لگی اس میں اتنی اتنی کیلوریز اور فیٹس ہوں گے۔ اس بھاگ دوڑ میں ہزاروں کیلوریز تو

READING CORNER http://readingcornerpk.blogspot.com

جلی ہی جلی ہیں، مجھے تو منوں خون جل جانے کا بھی احساس ہو رہا ہے۔"

"آخر ہم کب تک اس طرح بچتے رہیں گے۔" بیا کے لہجے میں خدشات تھے۔

"جب تک بچ سکے بچتے رہیں گے۔" ایراو نے لاپروائی سے کہا۔

"تمہاری تو خیر ہے۔ تم اس کی سگی بہن ہو اور سائز میں اس سے بھی کچھ نہ کچھ میسر آیا ہو گا۔" بیا کی فکر بجا نہیں تھی۔

"اس مسئلے کا کوئی حل؟" ایراو کو بیا کے غم کا اندازہ ہوا۔

"کوئی بھی نہیں۔ اب کم از کم تمہاری خود غرض بہن یہ تو کر نہیں سکتی کہ وہ جو اسے ڈھیروں کے حساب سے ملبوسات ملتے ہیں، وہ خود ہی ان کی منصفانہ تقسیم کرتے ہوئے ہمیں ہمارا حصہ دے دے۔"

"تو دے تو دیتی ہیں نا۔ سب ہم کو ملتے ہیں۔" ایراو نے بہن کی حمایت لی۔

"ہاں۔" بیا کی جلی کٹی آواز ابھری۔ "استعمال کے بعد اور وہ سارے کے سارے بھی تم ہی کو مل جاتے ہیں۔ میرے حصے میں آتے ہیں بچے کھچے سارے اچھے والے تو تمہیں مل جاتے ہیں۔"

"تو اس میں اتنا جلنے کی کیا بات ہے۔ آپ ان کا، میرا۔ اور اپنا سائز بھی تو دیکھیں۔"

"اب تم بھی طعنہ مارو گی؟"

"طعنہ نہیں مار رہی مگر گراؤنڈ رئیلٹی بتا رہی ہوں۔"

بیا کچھ نہ بولی، منہ بسورا اور رخ ہی پھیر لیا۔

"اب آپ ایسے خفا ہوں گی۔ وہ نہیں دیتیں تو کیا آپ پہنتی نہیں۔ ایک آدھ کو چھوڑ کر باہر نہ سہی، ہم گھر میں تو سارے کپڑے پہن پہن کر ارمان نکال ہی لیتے ہیں۔"

"ہاں تو ظاہر ہے جب گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو۔"

"تو پھر شکوے کس چیز کے؟"

"شکوہ یہ کہ یہ جو چوری چھپی والی ہمارے ساتھ ہوتی ہے، اگر جو وہ ہمیں اپنے کپڑوں یہاں تک کہ جوتے اور پرس تک میں دیکھ لیتیں تو قسم سے وہ کھڑے کھڑے اتروا لیتیں۔"

"جو بھی کرتیں کم ہی ہوتا۔" ایراو نے اس بار حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا۔

"فیروزن ڈیزائنر کے بھیجے وہ ڈریسز جو ابھی انہوں نے استعمال تو کیا کرنے شاپرز سے بھی نہیں نکالے تھے، ہم نے پہن لیے۔"

"اب ہم واپسی میں گھر کیسے جائیں گے؟" ایراو نے ایک اہم نکتہ پوچھا۔

"وہ اس بار مسئلہ نہیں۔ میں نے صبح ہی تمہارا اور اپنا ایک ایک جوڑا گاڑی میں رکھ لیا تھا۔ واپسی میں ہم اپنے ذاتی کپڑوں میں گھر جائیں گے۔"

"اور اگر اس دوران کمرے میں انہوں نے الماری کھول کر دیکھی۔" ایراو کو خیال آیا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تمہاری سست الوجود بہن اب بیڈ پر آڑی ترچھی پڑی ہوگی تو صبح ہی کی خبر لائے گی۔ تم خوامخواہ ڈر رہی ہو۔"

"تھوڑی دیر پہلے ہم دونوں ہی ڈر رہے تھے۔ بھول گئیں کیا آپ؟" ایراو نے چھیڑا۔

بیا ہنسی تھی۔

✿ ✿ ✿

واپسی پر بیا اور ایراو بڑے نارمل حلیے (اپنے لباس و جوتے و لوازمات) میں تھیں۔ چابی اپنے پاس تھی۔ بظاہر خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔ مگر ہاتھ میں پکڑے شاپرز میں خطرہ موجود تھا۔ ویسے تو دور دور تک امکان نہیں تھا کہ آمنہ تھیلے کے بھید تک پہنچتی۔ لیکن برا وقت کب بتا کر آتا ہے۔ اندر داخل ہوتے ہی کچھ انہونی کا احساس ہوا۔ پھوپھو اس وقت ٹاک شوز دیکھا کرتی تھیں۔ مگر آج ٹی وی بند تھا۔

آمنہ اس وقت سوتی تھی۔ دروازے، کھڑکیاں بند، پردے گرے ہوئے۔ مگر اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا

اور وہ بیڈ پر نہیں تھی۔ سانپ سونگھنے والی بات یہ ہوئی کہ پھوپھو کے کمرے سے رونے اور آمنہ کے اونچا اونچا، کڑوا اور قطعیت سے بھرپور بولنے کی آواز ابھر رہی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

ایراو کی سانس خشک تھی کہ بیا کزن ہونے کا مارجن لے لیتی۔ پھوپھو بڑے ہونے کا۔ اس کا کیا ہوگا۔

"جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" بیا کی فطری بہادری عود کر آئی۔ وہ سینہ تان کر آگے بڑھنے لگی۔ "پلیز بیا!" ایراو نے ہراساں ہو کر اس کا شانہ پکڑا۔ بیا نے جھٹکے سے شانہ چھڑوا لیا۔

"بھئی جو بھی غلطی یا شرارت ہے یا جو بھی ہے ہم نے کیا ہے۔ میں پھوپھو کو روتا برداشت نہیں کر سکتی اور اس سے پہلے کہ تمہاری بہن مجھ پر چڑھائی کرے میں اس پر چڑھ دوڑوں گی کہ چند معمولی مادی چیزوں کے لیے کوئی اپنی پھوپھو جانی کو ایسے ہچکیوں سے رلاتا ہے۔"

"وہ چند معمولی مادی چیزیں آمنہ کو از اے سلیبرٹی۔ کمرشل پوائنٹ آف ویو سے پروموشن کے لیے دی جاتی ہیں۔" ایراو کا گھبرایا اور درست تھا۔

"ارے جاؤ۔" بیا پر ذرا اثر نہ ہوا۔ "سلیبرٹی ہو گی تو اپنے گھر میں ہوگی۔ ایسے وہ ہمیں اپنے رعب میں نہیں رکھ سکتی ہے۔"

"وہ اپنے گھر میں ہی تو ہیں۔" ایراو آگے بڑھتی بیا کے پیچھے گھسٹتی منمنائی۔

پھوپھو کے آنسو جھر جھر بہہ رہے تھے اور آمنہ کڑے تیوروں سے بولتی ہی چلی جا رہی تھی۔ مگر موضوع تو کچھ اور تھا۔

"تو اب تم بھی اپنی صفائی دے دو ورنہ انہوں نے رو رو کر اپنا حال برا کر لینا ہے۔" آمنہ نے بیا کو مخاطب کیا۔

"صفائی۔" بیا اور ایراو نے طائرانہ نگاہ سے کمرے کو دیکھا۔ ہر شے جگہ پر درست، صاف ستھری۔

"کیسی صفائی۔"

"تاکہ یہ ہر الزام سے بری الذمہ ہو کر کم از کم رونا بند کر دیں۔ میں آپ کو روتا نہیں دیکھ سکتی پھوپھو!" سخت تاثرات سے کہتی آمنہ کا لہجہ آخر میں بے چین و بے بس ہو گیا۔

بیا کو بھی گھبراہٹ کا احساس ہوا۔ وہ بیڈ پر پھوپھو کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ایراو صوفے پر ٹک گئی۔

"اب آپ بولیں گی یا میں ہی۔۔۔؟" آمنہ نے پوچھا۔ شاہی پھوپھو کچھ نہ بولیں۔ ناک سکوڑ کر آنکھیں پونچھ کر جیسے لاتعلقی کا اعلان کر دیا۔

آمنہ ٹھنڈی سانس لے کر گویا ہوئی۔

"پہلے چچی امی کا فون آگیا۔ تمہاری بات ہوئی ہے آج کل میں ان سے۔ تمہارے کسی رشتے وشتے کے چکر میں؟"

"ہاں! روز ہی ہو رہی ہے، وہ کوئی رشتہ ہے؟ رکشہ ہے رکشہ۔ پھٹ پھٹ کرتے۔ عدنان سمیع کی کاربن کاپی۔ بولے تو یوں لگتا ہے روڈ پر پتھر کوٹنے والی مشین چل رہی ہو۔ چلتا ہے تو بجری کے ٹرک کی سی دھمک پیدا کرتا ہے۔ سانس لیتا ہے تو انجن کی پھک پھک۔ روبوٹ کا رشتہ آیا ہے بیا کے لیے۔" ایراو کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ مگر پھر منہ پر ہاتھ رکھ کر چپ ہو گئی۔ پھوپھو کا چہرہ بے حد دکھی تھا۔ آمنہ کا سنجیدہ۔

"تو تم نے چچی اماں سے کیا کہا؟" آمنہ نے پوچھا۔

"کیا کہنا ہے، انہیں بھی سب کہا جو تمہیں کہہ رہی ہوں۔ مجھے اس طرح کے انسان سے شادی کرنا ہی نہیں ہے۔ شادی میں اسی بندے سے کروں گی جو اسمارٹ ہو، لڑکا سا ہو۔ اماں مانیں نہیں تو یہ الفاظ میں نے اس بندے کو فون کر کے کہہ دیے۔ بس۔ لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو۔ تمہیں کس نے بتایا۔ یہ تو ہم ماں بیٹی کی آپس کی بات تھی؟" بیا چونکی۔

"انہوں نے کہا کہ مردوں کے لیے میرے دل میں جو نفرت اور بغض اور بے یقینی ہے ان خیالات سے میں تم لوگوں کی برین واشنگ کر رہی ہوں۔ میں اپنے رشتوں کو نبھانے میں نااہل ثابت ہوئی ہوں اور مزید کسی رشتے کو بنتے دیکھ نہیں سکتی۔ ورنہ بیا نے بھی شادی سے انکار کیا ہی نہیں۔"

READINGCORNER
http://readingscornerpk.blogspot.com

ساری مستی یکدم سلجھ گئی۔
"تو میں نے اب بھی کب شادی سے انکار کیا ہے۔ میں نے تو اس روڈ رولر کو منع کیا ہے۔"
"اس لڑکے نے تمہاری فون کال کی باتیں اپنی ماں کو سنائیں اور اس کی ماں نے جو جو تمہاری ماں کو سنائیں وہ۔ سب زہر ضرب دے کر انہوں نے میرے کانوں میں انڈیل دیا۔ بھابھی یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ نجانے کتنی زرعی زمینوں کا مالک اکلوتا بندہ ہے۔ وہ بہترین رشتہ۔"
"ارے واہ کہاں کا بہترین رشتہ۔" ہیا نے ہاتھ نچایا۔ "مجھے تو پہلے ہی شک ہو گیا تھا' وہ مجھ سے شادی پر راضی ہی اسی لیے ہوا ہو گا کہ ان زرعی زمینوں پر ہل چلانے کے لیے بیلوں کی جوڑی کی جگہ خود بھی چلے گا اور مجھے بھی جوت دے گا۔ تھینک لاٹ دس پھوپھو۔ ذرا تصور کی آنکھ سے دیکھیں تو۔ بیلوں کی جوڑی کی جگہ۔ میں۔ پھوپھو میں۔ کانٹ یو امیجن اور مائی گاڈ!"
ایراد کو بڑے زور کی ہنسی آئی۔ اس نے دونوں گال دانتوں میں کس لیے۔ ہنسنے کا موقع نہیں تھا۔ پھوپھو رو رہی تھیں۔
"فضول باتیں مت کرو۔ تم خود بھی تو موٹی ہو ہیا۔ یوں کیسے۔"
"یعنی کہ اب میری اپنی پھوپھو بھی۔" ہیا نے آنہ اور ایراد کو دیکھا۔ ان کے چہروں پر بھی تائیدی مسکان آئی تھی۔
"میں ممی سے بات کروں گی کہ انہوں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اور وہ لائف پارٹنر کے حوالے سے میرے آئیڈیل سے واقف بھی ہیں۔ میں تو کمپرومائز نہیں کروں گی۔ ہاں اس جیسا نہ ملا تو پھر کچھ اور سوچوں گی۔"
"تو لڑکے بھی تو ہلکی پھلکی لڑکی چاہتے ہیں نا۔ بس چلے تو ترازو میں تلوا کر دیکھ لیں۔" پھوپھو جیسے زچ ہو گئیں۔
"ارے واہ۔" ہیا کے چہرے پر شریر مسکراہٹ آ رکی۔ اس نے آنکھیں نچائیں۔ "ضرور تلوائے مگر دوسرے پلڑے میں سونا چاندی رکھے پھر۔ ہی ہی ہی۔"
اس کے بے ساختہ انداز پر آنہ تو گھورنے لگی۔ جبکہ پھوپھو کی اچانک زور کی ہنسی نکل گئی۔
"ارے واہ۔" ہیا اچھل کر ان سے لپٹ گئی۔ "ہنستے ہوئے کتنی پیاری لگتی ہیں میری پھوپھو۔ میں کروں گی اپنی ماں کو فون۔ اور کریں گی ایکسکیوز۔ ایسے کیسے میری پھوپھو کو رلایا۔ کوئی تماشا ہے بھلا۔"
"چھوٹی بھابھی ہی کیوں۔ بڑی بھابھی جان نے بھی وہاں دبئی سے فون کر کے نجانے کیا کیا کہہ دیا۔"
"کیا کہہ دیا؟" ہیا کے منہ سے نکلا اور پھر اس نے زبان دانتوں تلے داب لی۔ سب معلوم تو تھا ہی۔
"یہی کہ آنہ کا دماغ خراب کرنے میں سارا ہاتھ میرا ہی ہے۔ جو نفرت اور بے اعتباری مجھے ہوئی۔ وہ سب میں نے آنہ میں انڈیل دی ہے۔ اور یہ کہ میں نے تو نند کی تنہائی کے خیال سے بچی کو پاس چھوڑا تھا۔ مجھے کیا پتا تھا۔ میں لڑکی کو فطرت سے دور کر دوں گی اور بھی نجانے کیا کیا کچھ۔ اللہ گواہ ہے ہیا! میں نے تو کبھی چھپ کر بھی آنسو نہیں بہائے کہ سوجی آنکھیں دیکھ کر آنہ کچھ سوچنے نہ لگے۔ میں کیوں اسے کچھ بتاتی' سمجھاتی۔ مجھے دکھ رونے کی عادت نہیں ہے۔ میں نے تو ہمیشہ خود کو الجھا رکھا ہے۔ کاموں میں' ٹی وی' شاپنگ' تم لوگوں کے ساتھ تم لوگوں کی طرح جینا اور۔ پوچھو آنہ سے میں نے کبھی اسے کچھ کہا ہو۔ کبھی اس کے سامنے روئی ہوں اور بھابھی کہتی ہیں۔ میری ناکام زندگی کو دیکھ کر ہی شادی آنہ کی ترجیحات میں ہے ہی نہیں۔"
"کیوں گواہیاں مانگ رہی ہیں آپ۔" آنہ کے اشارے پر ہیا ذرا پیچھے سرکی۔ آنہ نے پھوپھو کے شانے پر بازو رکھا۔ "آپ نے کبھی میرے سامنے دکھ نہیں روئے۔ مگر مجھے ہمیشہ پتا لگ جاتا تھا۔ آپ دکھی ہوتی تھیں۔ اور آپ جیسی پیاری عورت کے ساتھ

جو کچھ پھوپھا نے کیا میں اسے فراموش کر بھی دوں تو وہ آخری دھوکا مجھے کبھی نہیں بھولتا۔ ہم شام تک اور پھر اگلے روز تک۔ اور پھر آنے والے کئی روز تک ہم شاہ میر کا انتظار کرتے رہے۔ دل دہلتا گیا' کہیں کچھ ہو نہ جائے اور وہ باپ کے ساتھ ملک سے باہر جا چکا تھا۔ ملک سے باہر ایک دم نہیں چلے جاتے۔ ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔ شاہ میر بے خبر ہو اور اس نے ماں کو ہوا بھی نہ لگنے دی۔"
"پھوپھا جیسے گھاگ کے پاس تو پورا پلان ہو گا۔ شاہ میر نے اتنی مکاری کہاں سے سیکھی؟" سوال سے زیادہ آنہ کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔
"تو اس سے ہم نے یہ سیکھا کہ مرد پچاس سال کا ہو یا دس سال کا۔ مرد ہوتا ہے اور دھوکا جس کی فطرت' سب کو ایک جیسا نہیں کہتی مگر ممما کے بتائے یہ رشتے۔ ٹی وی میں دیکھ کر پسند کر لیا۔ میں آئیڈیل ہوں۔ خوب صورت ہوں' وہ میرے فین ہیں۔ نفرت ہے ان بلبلے جیسے جملوں سے اور زبان رکھتے والے موصوف کا معاملہ۔ جن پر ممما فدا ہیں۔ دبئی کے بزنس مین ہیں۔ جانتی ہوں میں انہیں۔ کسی شوبز سیلبریٹی سے شادی کر کے فخر حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ آدمی جو عورت کو کسی بھی حوالے اپنے فائدے کے لیے استعمال کرے اس سے تو مجھے گھن آتی ہے۔ عورت فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہو سکتی کیونکہ عورت خود اپنی ذات میں بہت بڑا منافع ہے۔"
"تم تو بہت اچھی باتیں کرتی ہو آنہ۔ میں تو تمہیں بس ایک نخریلی' ست اور خود نمائی دکھانے والی لڑکی سمجھتی تھی۔" ہیا سحر زدہ تھی۔
آنہ خاموشی سے تعریف سنتی رہی عاجزی سے۔ مگر جملے کے اختتامی حصے پر وہ اچھلی۔
"تم مجھے یہ سب سمجھتی ہو۔ نخریلی اور ست الوجود۔" وہ دھاڑی اور جھپٹی۔
ہیا نے پھوپھو کے پیچھے پناہ لی مگر ہیا کے موٹے چوڑے وجود کے سامنے پھوپھو کا سہارا کیا؟

☆ ☆ ☆

آخر زندگی ایسے کیسے گزر سکتی ہے۔ اتنی جدوجہد' ناامیدی اور خالی پیٹ کی زندگی تو طے پھر ہوا تیمور کہ دراصل پیٹ ہی سب کچھ ہے' باقی سب جھوٹ یا ثانوی۔ ایک جانب انسان جاب لیس ہو پھر چھڑا چھانٹ ہو اور بھوکا ہو تو زور کس پر ہوا بھوک پر۔ جسم میں جان ہو گی تو کام ڈھونڈا جائے گا نا۔"
وہ بڑے سے چائے کے مگ کے ساتھ پاپے کا شغل فرما رہا تھا۔ ہر لقمے سے اپنی کم مائیگی کا احساس بڑھ جاتا۔
"سب ہی کا گزارہ ہو رہا ہے مگر ایک میں۔" اس پر خود ترسی غالب ہونے لگی۔
عاشر کے آفس میں وہ پہر کو لنچ ملتا تھا۔ وہ ساری کسر ہی نکال لیتا۔ ابوذر ادھر ادھر سے چٹخارے بھر لیتا۔
مسئلہ تو تیمور کا تھا اسے نوکری مل کے ہی نہیں دے رہی تھی۔ تین ٹائم گھر پر اور ان دونوں نے اسے ایسی ہی سمجھ لیا۔ گھر میں گھستے ہی ہانک لگاتے۔
"آج کیا پکایا ہے۔"
یہ نفی میں سر ہلاتا تو وہ طعنے دیتے کہ کیا سوکنیں دیتی ہوں گی۔
"سالے تو گھر میں رہ کر ایک ہانڈی بھی نہیں پکا سکتا۔ گھر تو صاف رکھنا آتا ہی نہیں۔ یہ دیکھ اس ٹیبل کا حال دیکھ۔" عاشر بڑے ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھاتا۔ شہادت کی پور پر لگی دھول اس کے چہرے کے عین سامنے کر دیتا۔
اب چونکہ گندگی اسے بھی نہیں بھاتی تھی۔ سو اگلے روز وہ جی لگا کر صفائی کرتا۔ گھر کو سجانے سنوارنے سے فرصت ملے تو جاب کی تلاش کو جائے گا نا۔ سو وہ فون پر ہی کوستا۔
یہی حال ہانڈی کے ساتھ ہوتا۔ وہ دل لگا کر تیار کرتا۔ تب وہ اتنے کیڑے نکالتے کہ تیمور کا دل کرتا چلو بھر شوربے میں ڈوب کر جان دے دے۔
تیمور کا ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ وہ کوئی بھی کام کرتا

اسے مکمل اور درست کرنا چاہتا۔

اس نے چائے کو چھوڑا اور لمبی کٹی بھنڈی کو دیکھا۔ تیمور کو مسالہ بھری بھنڈی بہت پسند تھی۔ اس نے اماں کو فون کرکے ترکیب پوچھنی چاہی مگر وائے قسمت فون اماں تک ابا کے ہاتھ میں۔ ارے باپ رے۔

"ہاں ہاں، تم بھنڈیاں ہی بناتے رہنا۔ اور وہ جو میں نے تمہیں جاب کے لیے کہا تھا کہ میرے دوست کے آفس جانا۔ اسے اکاؤنٹ ڈپارٹمنٹ میں بندہ چاہیے وہ کیا ہوا۔"

"او تو!" تیمور نے اپنے بالوں کا گچھا مٹھی میں جکڑا۔

"ڈیڈی کسی اور کا فون ریسیو نہیں کرتے۔"

"گدھے!" ڈیڈی کے سر پر لگی۔ "یہ کسی بیوی ہے میری۔"

"میں کب انکار کر رہا ہوں میں تو بس کہہ رہا تھا یہ میئوز کے خلاف ہے۔"

"میئوز کے بچے! تم فرقان کے آفس گئے؟"

"میں سفارش پسند نہیں کرتا ڈیڈی! اپنے بل بوتے پر کروں گا جو کچھ کروں گا۔ دراصل اپنے زور بازو۔"

"زور بازو کے باپ! تو ادھر فون کیوں کیا۔ یہ بھرواں بھنڈی بھی اپنے بل بوتے پہ بنا لیتی تھی۔ خبردار جو میری بیوی کو فون کیا؟" ڈیڈی نے دھاڑ لگائی اور فون پٹخ دیا۔ تیمور کے کان میں سیٹی سی بجنے لگی۔

"اکاؤنٹ میری فیلڈ ہی نہیں ڈیڈی! آپ سمجھ کیوں نہیں لیتے۔" تیمور صوفے پر تسلی سے بیٹھ کر سوچنے لگا۔

گہری سوچ نے گھڑی کی بڑھتی سوئیوں تک دھیان ہی نہ جانے دیا۔ نذیر کے جانے کے بعد سے فریج بھی تقریباً خالی تھا۔ کچھ کباب موجود تھے۔ مگر آخر کباب کب تک کھائے جا سکتے تھے۔ آلو تھے وہ بادی ہوتے ہیں تو رہ گئی بھنڈی۔ ہاں مونگ کی دال بھی پڑی تھی۔ اس نے کچھ خیال آنے پر ٹی وی چلا لیا۔ چینل سرچنگ کے دوران سوچا جا سکتا تھا۔ تب ہی نگاہ کوکنگ چینل پر پڑی۔ وہ تو جیسے اچھل پڑا۔ مگر کچھ دیر بعد جھنجلا کر ریموٹ اچھال دیا۔ ایک جگہ کوئی دس طریقے کے کیک سکھائے جا رہے تھے۔ دوسری طرف رنگین اشرفیوں والا سفید زردہ، سندھی بریانی اور مکس سبزی رائتہ۔ ایک دوسرے چینل پر شربت ویک منایا جا رہا تھا۔ شربت ہی شربت۔ ہر رنگ، نسل، ذائقے کے شربت۔

یہ چینل والے آسان روزمرہ کی چیزیں کیوں نہیں بناتے۔ اس کے دکھی دل سے دہائی دی۔ ساتھ ہی دماغ میں ایک شاندار خیال سوجھا اور اس نے خود کو داد دینے کے بجائے جی بھر کے کوسا کہ پہلے اس جانب دھیان کیوں نہ دیا۔

بک شاپ پر گیا اور کوکنگ بکس کو ہاتھ لگایا کرنٹ لگا۔ اتنی مہنگی اور وہ بے چارہ آج کل بے روزگار۔

درخواستیں دے دے کر تھک گیا۔ اپائنٹمنٹ لیٹر نجانے کب ملے گا لفافہ بانے۔

کیسے ہوتے ہیں وہ خط جن کے جواب آتے ہیں

دل گرفتگی سے سوچتے ہوئے اس نے نیم کی بڑھے بابے کی پرانی کتب و رسائل والی ریڑھی سے بوسیدہ اوراق والی ایک ترکیب والی کتاب بیس روپے میں خریدی۔

☼ ☼ ☼

اگر نوکری نہ ملی تو کیا وہ ایسے ہی دونوں کام پر جانے والے بھائیوں کے لیے کھانا بنایا کرے گا۔ صبح جب ابوذر اور عاشر تیار شیار ہو کر خوب سارا پرفیوم اسپرے کرکے آفس کے لیے نکلے۔ تب بکھرا گھر دیکھ کر تیمور خود ترسی کا شکار ہو گیا۔

وہ کیا ان کا نوکر ہے۔ نوکر سے یاد آیا نوکری بھی نہیں ملی۔ تو کیا حیدر آباد چلا جائے۔ مگر حیدر آباد میں نوکری کہاں ملتی ہے۔ سارے چینلز تو کراچی میں تھے۔ سینئر پروڈیوسر سے اختلاف کے بعد استعفیٰ دیتے ہوئے اندازہ نہیں تھا۔ جاب اتنی مشکل بن جائے

گی۔

اور حیدر آباد چلا گیا تو ڈیڈ طعنے دے دے کر وہ جگر چھلنی کرتے کہ پھر کہیں پیوند کاری نہ ہو پاتی۔

انہیں اس کا میڈیا کی فیلڈ میں کام کرنا پسند ہی نہ تھا۔

تین بھائیوں میں بڑے بھائی جان فوج میں تھے اور کوئٹہ پوسٹڈ تھے۔ ڈیڈ کے چہیتے۔ پھر عاشر اعلا تعلیم کے ساتھ ملٹی نیشنل میں اچھی پوسٹ۔ یہ دونوں بھائیوں سے عمر میں بہت چھوٹا اور ماں کا لاڈلا تھا۔

ہائے! ماں کا لاڈلا اس وقت کیسے صفائیاں دھلائیاں کر رہا تھا۔ گھر سنبھالنے کے بکھیڑے۔ چیزوں کو ملازم۔ ملتی نہیں تھی دو ملازم ٹکتے نہیں تھے۔

یعنی کہ تیمور کی بے روزگاری سے عاشر اور ابوذر نے جی بھر کے فائدہ اٹھایا اور ابوذر چچا کا بیٹا تھا۔ اسے کراچی میں ملازمت مل گئی۔ عاشر اور تیمور فلیٹ میں اکیلے رہ رہے تھے۔ یہ بھی ساتھ رہنے لگا۔

سارا گھر بکھرا ہوا تھا۔ وہ گھوم گھوم کر دیکھنے لگا۔ کام کہاں سے شروع کرے۔ تب ہی ڈور بیل پر چونکا۔ اتنی صبح صبح کون آ گیا۔

دروازہ کھولا سامنے پوسٹ مین تھا۔

اس نے بے دلی سے لفافہ کھولا۔ جھلکی روکی نہیں ملیں۔ پھر اچھل پڑا۔ جیسے کپڑوں میں چیونٹیاں گھس جائیں۔ نجانے یہ کون سی ڈانس فارم تھی۔

"اپائنٹمنٹ لیٹر۔ ارے میرے اللہ۔ اماں۔ اماں جان۔" وہ فون کی سمت بھاگا تھا۔

☼

کیمرے کے آگے تو بس ایک ہنستا مسکراتا تیار شیار چہرہ پیش ہوتا تھا۔ مگر اس پیش کش کے پیچھے والوں کو واقعتاً پسینہ آ جاتا۔

وہ خاصا تجربہ کار تھا۔ مگر کوکنگ شو ایک قطعی مختلف تجربہ تھا۔ شو تین سے پانچ تک کا تھا۔ مگر اسے صبح ہی جانا پڑتا۔ کیا پکنا ہے کے حوالے سے خریداری۔ خوب صورت برتنوں کا انتخاب۔ سیٹ کے لوازمات کیونکہ شوق اور سیکھنے کی لگن بہت زیادہ تھی، سو ہر چیز میں گھستا۔ ہلکان ہو جاتا۔ مگر جب شو کامیاب چلا جاتا تب ساری تھکان اڑن چھو ہو جاتی اور کل کے لیے تازہ دم۔ ایم سی آر کی تکنیک 'لائیو کالرز' سے ڈیل اور سب سے بڑھ کر شیفت کو اشاروں سے سمجھانا یا اسے اشاروں سے سمجھانا۔

یہ کوکنگ چینل کے پورے ایک دن کا سب سے کامیاب شو تھا۔ محنت تو سب ہی کرتے تھے، ہر حساب سے مگر "تھری ٹو فائیو" دس ازمائی کوکنگ ٹائم" کی بات ہی نرالی تھی۔ اس کی ریٹنگ پورے ویک میں سب سے ہائی آتی اور یہ شاید سب کی محنت تھی کہ قسمت یا پھر پروگرام کی میزبان شیفت جس کی موجودگی سے اسکرین جگمگا جاتی تھی کہ جسے کوکنگ سے ذرہ بھر دلچسپی نہ ہو۔ وہ محض شیفت کی صورت دیکھنے کو وہ گھنٹے پلکیں جھپکائے بغیر بیٹھ جائے۔

اور بڑے مزے سے جاب کے پل پل کو انجوائے کرتا۔ تیمور ہر روز نیا تجربہ حاصل کرتا۔ ہر چیز کو سمجھتا۔ نہیں سمجھ پایا تو اپنی شیفت کے مزاج کو۔

وہ اپنے فن میں ماہر تھی۔ بنیادی طور پر وہ بلکی کھانے بنانے کی مہارت رکھتی تھی۔ ساتھ ہی بیکنگ 'کیک پیسٹری' بڑا بھی خصوصیت تھی۔ یہ سب کورسز اس نے باہر ملک سے کیے تھے کہ وہ عرصہ دس برس سے دبئی میں مقیم تھی اور چینل کے مالک کے دوست کی بھانجی تھی اور وہی اسے درحقیقت میڈیا میں متعارف کروانے والا تھا۔ شروع میں سختی سے انکار کرنے کے بعد جب اس نے ایک بار اس فیلڈ میں قدم رکھ دیے۔ تب اسے اس کے اسکوپ کا اندازہ ہوا اور کوکنگ کے حوالے سے سرسری شوق کو باقاعدہ اپناتے ہوئے پھر اس نے دیسی کھانوں میں مہارت حاصل کرنے کے لیے مختلف کورسز کر لیے۔ تو فیلڈ کہ ان میں بھی طاق ہو گئی۔

آن اسکرین شیفت بہت شان دار تھی۔ اپنے حسن اور اداؤں میں مخصوص اسٹائل سے بولتی۔ کچھ

READING CORNER

کوکنگ ایکسپرٹ اپنے ہاتھوں' انگلیوں اور ناخنوں کو انتہا حد تک سجا کر پیش کرتی تھیں کہ ان کے ہاتھ ہی نظر آیا کرتے۔ جب وہ گوندھتیں' کاٹتیں' چمچے گھماتیں' مگر اس کی کلائیاں' انگلیاں اور ناخن ترشے ہوئے کسی بھی سجاوٹ سے پاک ہوتے۔ بالوں کو سختی سے کھینچ کر بس پونی باندھ کر کوکنگ کرتی۔ لیکن پروگرام کے آخری بریک کے بعد جب اسے پکے ہوئے کھانوں کو ٹیبل پر سجا کر ای میلز کے جواب دیتے ہوتے نزاکت' مہارت اور اداؤں کا مکمل نمونہ سامنے ہوتا۔

☼ ☼ ☼

کہاں تو وہ بے دلی سے کافی پینے آیا تھا اور کہاں دل خوشی سے جھومنے لگا۔ سامنے وہ حسینہ جو چھلاوہ محسوس ہونے لگی تھی۔ اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہی ڈبوں کو اٹھا اٹھا کر دیکھتی۔ لکھے ہوئے اجزا کا۔ گہرائی سے مطالعہ کرتی۔

عاشر نے کپ کو ٹیبل پر پٹخا اور اس کے سر پر پہنچ گیا۔ آج کا موقع وہ کسی صورت ضائع نہیں کرے گا۔ وہ پنجوں کے بل بیٹھی آٹے کے تھیلوں پر لکھے نجانے کون سے اسرار کھوج رہی تھی۔ عاشر نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ' پانچ کلو مشہور چکی کا آٹا ٹرالی میں رکھ دیا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ تھرے سینہ تانے کھڑے عاشر پر نگاہ گئی' خفگی اور اس میں شناسائی کے رنگ ابھر کر معدوم ہو گئے۔ اب صرف سوالیہ رنگ رہ گیا تھا۔ وہ حیرت سے دیکھ رہی تھی اسے اور از حد حیرت سے آٹے کے تھیلے کو۔

"میں نے سوچا ابھی آپ کو اسے اٹھانے میں پرابلم ہوگی اسی لیے۔"

"تھینکس۔" وہ مسکرائی اور عزیزی عاشر نے تھوک نگل لیا۔ خوب صورت لوگوں کے مسکرانے کی پیشگی اطلاع دینے کا قانون پاس ہونا چاہیے۔ ایسی ناگہانی موت۔ اللہ اللہ۔

"مگر مجھے اسے لینا نہیں تھا۔ میں صرف دیکھ رہی تھی۔"

"میں واپس رکھ دیتا ہوں۔" عاشر جیسے حکم کا غلام ہو۔

"آپ!"

"آپ!"

دونوں کے لبوں سے ایک ساتھ برآمد ہوا۔ پھر دونوں ہی چپ ہو گئے۔

"آپ کہیے۔" وہ ایک بار پھر مسکرائی۔

عاشر نے لیڈیز فرسٹ والے اصولوں پر لعنت بھیجی کہ پہلے آپ۔ وہ در اصل کتنا کچھ سننا ہی تو چاہتا تھا۔

"ہمارا یوں سر راہ بار بار ملنا محض اتفاق تو نہیں ہو سکتا۔ اس کا مطلب ہے کہ۔"

"بالکل صحیح۔ اور اس کا یہی مطلب نکلتا ہے کہ ہمارا راستہ ایک ہے۔"

"اوہ۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ منزل بھی ایک ہو جائے۔" عاشر صاحب کا پہلا موقع تھا۔ وہ کون سا جھوٹ بول رہا تھا یا فلرٹ کرنا چاہتا تھا۔ سو منہ پھاڑ کے کہہ دیا۔

"اتنی بڑی بات آپ نے اتنی آسانی سے کہہ دی اور یوں چھوٹتے ہی۔" اس کی بڑی آنکھیں حیرت کے باعث اور زیادہ بڑی ہو گئی تھیں۔

"سچ بولنا بھی مشکل نہیں ہوتا۔" عاشر کے چہرے کی خوشی لہجے میں بھی عیاں تھی۔

"آپ نے سچ جھوٹ کا فیصلہ بھی خود سے کر لیا۔"

"میں فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔ مگر یہ تو جانتا ہوں نا کہ سچ کہہ رہا ہوں اور منزل کے ایک ہو جانے کا کہہ کر سوال ہی تو پوچھا ہے۔ آپ جو جواب دیں' جو بھی آپ کی رائے۔"

عاشر کے لہجے سے سچائی ٹپک رہی تھی۔ اجنبی حسینہ نے جانا۔

"ہوں۔" اس نے ہاتھ سینے پر لپیٹ لیے۔ دلچسپی بڑھی تھی۔ "رائے دو طرح کی ہے یا تو آپ بہت بڑے کھلاڑی ہیں یا پھر بڑے اناڑی۔"

"اب میں کچھ کہوں تو جانب داری کا الزام بھی لگ

جائے گا یا اپنے منہ میاں مٹھو والی بات۔ سو فیصلہ آپ ہی کیجیے۔ بڑی طمانیت اور بے فکری سے کھڑی سوال و جواب کر رہی ہیں۔ جبکہ میرا دل ڈر رہا ہے۔ اگر جو آپ کسی کو آواز دے کر کہہ دیں کہ میں لڑکی کو تنگ کر رہا ہوں یا سینڈل ہی اتار لیں۔"

عاشر کا لہجہ سچائی کا مظہر تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ عاشر نے سارے کے سارے ٹرالی پر دونوں ہاتھ رکھ دیے۔ ایسی جلترنگ۔ جلترنگ تھی۔ تب وہ لہجے میں گویا ہوئی۔

"میری طمانیت کی وجہ کچھ اور ہے مجھے آپ جیسے کرتے ہی رہتے ہیں۔"

عاشر کا چہرہ اور جوش و خروش پہلی بار سہما ہوا۔

"بہر حال آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔" عاشر جواب حسینہ نے بات سمیٹنی چاہی۔

"کچھ نہیں۔" عاشر کے منہ سے نکلا۔ "میرا مطلب ہے پتا نہیں' مگر مجھے لگتا ہے آپ کے اور میرے بیچ کوئی کنکشن ہے جب ہی تو ہم بار بار ملتے ہیں۔"

"وہ تو میں نے آپ کو بتایا نا ہمارا راستہ ایک ہے۔" وہ مسکرائی۔

"نہیں راستے کی بات نہیں۔ ان سرسری سی راہ ملاقاتوں کے بعد آپ بھولتی نہیں۔ ہر جگہ آپ ہی نظر آتی ہیں۔ اب جیسے یہ سامنے وہ دو کے ڈبے پر بنی تصویر والی خاتون میں آپ نظر آرہی ہیں' وہ ادھر سامنے۔" عاشر نے سر کے عین اوپر بڑے سے اشتہار کی طرف اشارہ کیا۔

"کوکنگ آئل کے ڈبے کو لیے جو خاتون ماحتا کا اظہار جتا رہی ہیں۔ وہ بھی مجھے آپ لگ رہی ہیں بلکہ۔"

"اس لیے کہ۔" ٹرالی کو ریورس کر کے آگے جانے کا اشارہ دیتی حسینہ نے دونوں خواتین کو سرسری دیکھا۔ "وہ میں ہی ہوں۔"

عاشر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ پل بھر کو مسکرائی اور اسے حق دق وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

ٹی وی لاؤنج کے صوفوں پر چاروں براجمان تھیں۔ اور ٹی وی پر کرکٹ میچ چل رہا تھا۔ ساری قوم دعا گو تھی کہ لاہوری جم جائیں کہ رنز کی مضبوط بنیاد ہی جیت کا باعث بنے گی۔ مگر ان سب سے پرے ایراو کے دونوں ہاتھ ہونٹوں سے جڑے تھے کہ یہ سب کے سب آؤٹ ہوں اور آفریدی پچ پر آجائے۔

"ہائے یہ آفریدی کو اوپنر کیوں نہیں بنا دیتے۔"

"اوپنر۔ آفریدی؟" بیا کود چکا گا۔ "مگر کیوں؟"

"اس لیے کہ میں اسے دیکھ سکوں۔"

"بس پلک جھپکنے کی حد تک۔" پھوپھو کی جلی کٹی آواز آئی۔ "قسمت یا آواری کرے تو کرے۔ وہ تو ہوا کا جھونکا بن کر آتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے چھو کر گزر گیا۔"

"ہائے پھوپھو۔" ایراو جھوم اٹھی۔ "کیا شاعرانہ تشبیہ استعمال کی ہے۔ ہوا کا جھونکا۔ چھو کر گزرا' اف۔" نجانے کیسی سرشاری سے اس نے آنکھیں میچ لیں۔

"لیکن یہی جھونکا اگر ٹک گیا نا تو مخالف ٹیم کے لیے طوفانی جھکڑ میں بدل جائے گا۔ سب کچھ اکھاڑ پچھاڑ دے گا۔"

"ہاں۔" پھوپھو کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ "اگر ٹک گیا۔"

"اسے میچ کی فکر نہیں ہے' نہ ہار جیت سے مطلب۔" آنزو نے پہلی بار لب کشائی کی۔ وہ اپنی ڈریس ڈیزائننگ کے بیچ کپڑوں کے ڈھیر کے ساتھ جتی ہوئی تھی۔ سرسری نگاہ سے ٹی وی دیکھتی' ہاں کان گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔

"اسے بس آفریدی کو دیکھنا ہے۔"

"تو اس کا تو حل ہے نا اسے کرکٹ سے ریٹائرمنٹ لے کر اماپائرنگ شروع کر دینی چاہیے۔ صبح سے شام ان کی گراؤنڈ ہی ہی ہی۔"

پھوپھو اور آنزو ہنس پڑیں۔ ایراو نے بیا کو گھورا۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com

"اب بولنا بند کرو اور میچ انجوائے کرو۔ اور کرنے دو۔" ایراو نے خفگی سے کہا۔

آخ آخری اوورز کے میچ میں دلچسپی لیتی تھی۔ صرف ایراو تھی جو پلکیں جھپکنے کو بھی تیار نہ ہوتی۔ اس وقت پاکستان کی بیٹنگ چل رہی تھی اور میچ بہت ڈھیلا تھا۔ آخ فون پر چند ایک ڈریسز کو چھوڑ کر باقی سب میں کیڑے نکال رہی تھی۔

ایک سے ایک اسٹائلش قیمتی پیارے کپڑے۔ بیا کے چہرے پر حسرت پھیلی رہی تھی یہی حال ایراو کا بھی تھا۔ جب دونوں کی نظریں کپڑوں سے ہٹ کر آپس میں ٹکرائیں تب دونوں کو ایک دوسرے کے دل کا حال معلوم ہوا اور یہ بھی کہ اس وقت دل پر کیا بیت رہی ہے اور آنے والے وقت کے لیے دل میں کیا چل رہا ہے۔ اسی وقت پھوپھو نے سخت تاسف میں گھر کے سر ہاتھوں پر گرالیا۔ جبکہ ایراو خوشی سے بھنگڑے ڈالنے لگی۔ جتنی جلدی کھلاڑی آؤٹ ہوتے اتنی ہی جلدی آفریدی آتا ناں۔ بہرحال کھلاڑی پکے پھل کی طرح گرتے رہے اور آفریدی پہنچ ہی گئے۔

اور جب آفریدی اسکرین پر آیا تو ایراو جیسے پاگل ہوگئی۔

"یہ اتنی چھچھوری حرکتیں تم نے کہاں سے سیکھیں۔" اس کا نثار ہونا پھوپھو کی برداشت سے باہر ہوگیا۔

یک دم ایراو نے فلک شگاف چیخ ماری تو سب اسکرین کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور پھر ان چیخوں میں آخ، بیا اور پھوپھو تک کی شمولیت ہوگئی۔ کہ آفریدی تک گیا تھا۔ دے چھکے۔ چھکا، چوکے پہ چوکا اور ان ہی کے گھر پر کیا ہنگامہ۔ ہر محلے کی کھڑکی سے چیخیں ہاہاکار اور نعرے بلند ہو رہے تھے۔

آفریدی نے اپنے ہی قائم کردہ کسی شاندار ریکارڈ کو توڑ ڈالنے کی قسم کھائی تھی۔ چیخ چیخ اور اچھل اچھل کر ایراو کا گلا بیٹھ گیا مگر۔

چھکے چوکے سانس لینے کے بھی مہلت نہیں دے رہے تھے۔ پاکستان واضح ہارتا میچ جیت جانے کو تھا۔ اب کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

ہر بار بلے پر گیند چڑھتی۔ تب سب آنکھیں میچ لیتے۔ پیٹ میں گرہ سی بندھ جاتی۔ بھلی وی کے شور پر ایک آنکھ کھول کر ڈرتے ڈرتے اسکرین دیکھتے۔ شور آؤٹ ہونے کا تھا یا ایک اور چھکا پڑا ہے۔

اور وہ چھکا یا چوکا ہی ہوتا۔ ایراو کا حال برا تھا۔ وہ بیٹھ جاتی۔ کھڑی ہو جاتی۔ اچھل پڑتی۔

کہاں ہارنے کا خوف اور کہاں اب مسلسل پڑتے چھکے بھی دل ناتواں کی برداشت سے باہر ہو رہے تھے۔

"یہ حرکتیں (اخلاق باختہ)" پھوپھو کے نزدیک اب حد ہو گئی تھی۔ وہ جارحانہ عزائم کے ساتھ اٹھیں۔ کان سے پکڑ کر دو لگاتیں اور پھوپھو کے عزائم کی راہ میں ڈوربیل حائل ہوگئی۔

"دیکھنا" پھوپھو نے آگے بڑھ کے آواز میوٹ کردی۔ ساتھ ہی اچھلتی ایراو کا بٹن بھی جیسے آف ہوگیا۔

"آگیا ناں کوئی کمبخت لے کر اتنا شور۔ کوئی طریقہ ہے یہ شریفوں کا۔ غضب خدا کا۔ حد ہے یعنی کہ۔" پھوپھو کے اعصاب کے لیے مسلسل بجتی بیل عذاب تھی۔

"تو اس میں کیا مسئلہ ہے اس سے پہلے کہ آنے والا بندہ ہمارے گھر کے شور پر بحث کرے، آپ اس پر جھاڑ دو دیں کہ بیل کیا اس کے ابا کی ہے۔ جس پر انگلی رکھ کے وہ بھول گیا۔ اور اگر بیل خراب ہوگئی تو وہ پیسے بھرے گا کیا؟" بیا نے تیز تیز لہجے میں اپنی طرف سے بہترین حل پیش کیا۔

"ہاں ہاں بالکل۔ بلکہ آپ اسے شرمسار کیجیے کہ کیا اس میں ذرا سا بھی" ایراو نے چٹکی بجا کر دکھائی "جذبہ ملی نہیں کہ وہ اپنے ملک کی کامیابی پر خوش ہو اور اگر پھر بھی بولے تو مجھے بتایئے گا میں نے اس پر غداری کا مقدمہ نہ دائر کروادیا۔ تو میرا نام ایراو کی جگہ۔۔" وہ موزوں نام پر اٹک گئی۔

"فراڈ رکھ دینا۔" بیا کو گدگدی ہوئی۔

پھوپھو نے تینوں کو گھور کے دیکھا اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے کھڑی صورت نے ماتھے کی تیوریوں اور چہرے کی درشتی کو بڑھایا۔ پر غالب عنصر شدید حیرت تھی۔ اوپر سے نوارد کے سوال نے ہوش اڑا دیے۔ شور مچانے پر شکایت نہیں آئی تھی بلکہ فرمائش آئی تھی۔ سامنے والا وہ پڑوسی لڑکا جو زیادہ تر گھر میں رہتا تھا۔ ان کے کان، گلے اور ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے ان سے ایک چوڑی۔ ان کی سونے کی چوڑی مانگ رہا تھا۔ کہ اسے گروی بھی پھیپھڑا اپنانا تھا۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"جی جی آنٹی!" تیمور کی گھبراہٹ ختم ہونے لگی تھی۔

"دراصل میں نہیں کہہ رہا۔ یعنی کہ مجھے نہیں چاہیے چوڑی۔ نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ میں خود کو کنگ کرتا ہوں ناں۔ تو۔ دراصل وہ جو نذیر تھا ہمارا کک پیر کیٹرر جب سے وہ چلا گیا۔ تب سے آپ جانتی ہوں گی نذیر کو وہ کتنا سادہ۔"

"ہاں ہاں جانتی ہوں۔" پھوپھو کا حلق کڑوا ہو گیا۔ بے ضرر نظر آنے والا بدتمیز ملازم۔ "تم اپنی بات کرو۔"

"میری کوئی بات نہیں ہے آنٹی۔ دراصل میچ کی خوشی میں ہم نے اپنے کچھ دوستوں کی دعوت کی تو میں نے سوچا کہ بیکچی کردے، بنالیتا ہوں۔ تو بتا ہی دیا تھا کہ۔" تیزی سے چلتی زبان کو بریک لگا۔

"تم کلیئر بات کرو گے یا میں دروازہ بند کر دوں۔" وہ جو ایک بار پھر الفاظ مجتمع کرنے کے لیے رکا تھا۔ پھوپھو کی دھاڑ سے گڑبڑا گیا۔ ہٹتے ہوئے بوکھلائے انداز میں کتاب کو کھولا تیزی سے ورق پلٹ کر ترکیب ان کے سامنے کردی۔

"میں یہ بھی لایا ہوں آنٹی!" اس نے دوسرے ہاتھ میں پکڑا نازک سا ترازو دکھایا جو سناروں کی دکان پر ہوتا ہے۔

پسا گرم مسالہ	ایک تولہ
سفید زیرہ	ایک تولہ
خشک دھنیا	آدھا تولہ
ادرک	پسی ہوئی تین تولہ
لہسن	ایک پوتھی

شاہی پھوپھو نے زیر لب پڑھا۔ "تم نے کہاں سے لیا یہ بابائے آدم کے زمانے کا نسخہ طرز تحریر۔ تولے ماشے۔" شاہی پھوپھو کو گویا پتنگے لگ گئے۔

"دکان سے۔" تیمور کا منہ لٹک گیا۔ شاہی پھوپھو نے ایک بار پھر اسے کڑے تیوروں سے دیکھا۔ تیمور گھبرا گیا۔

"میں دوبارہ کبھی اس بک سے کوئی ریسیپی فالو نہیں کروں گا مگر آج۔ بلکہ ابھی تو پھنس گیا ہوں ناں۔" تیمور کا لہجہ منتی ہوگیا۔

"آپ کے پاس چونکہ بہت سے۔ میرا مطلب ہے مختلف سائز کے زیور ہیں اور آپ کو بھی میری اماں جان کی طرح یقیناً" اندازہ ہوگا کہ کس کا کتنا وزن ہے تو۔

بس آپ مجھے تولے بھر کی چوڑی دے دیں اور کچھ ماشے کی انگوٹھی۔ میں مسالوں کا وزن کرتے ہی واپس کر جاؤں گا۔ آپ یقین کریں۔ میں کوئی چور یا نوسرباز نہیں، میرے ڈیڈی فوج کے اعلا افسر ہیں اور یہ ہمارا اپنا ذاتی گھر ہے۔"

آنٹی کے چہرے کے تاثرات ہر جملے پر رنگ بدل رہے تھے۔ تیمور کا حوصلہ بڑھا۔

"تو پھر آپ مجھے زیور دے رہی ہیں۔" تیمور نے حریص نگاہوں سے ہاتھوں کی چوڑی انگوٹھی کو دیکھا۔

"بالکل نہیں۔" پھوپھو نے کتاب اس کے ہاتھ پر پٹخی اور بازو پیچھے کرلیا کہیں جھپٹ نہ لے۔

تیمور رونے والا ہوگیا۔ پہلے بے روزگار ہونے کی بنا پر کماؤ پوت اس پر ذمہ داریاں ڈال دیتے تھے۔ اب اس کے روزگار نے اسے کاما بنا دیا تھا۔

میچ دیکھنے کے لیے ابوذر نے اپنے کچھ دوستوں کو گھر بلالیا۔

"ووکنگ چینل میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر و پروڈیوسر ہے میرا بھائی۔ ہاتھ میں ذائقہ بھی بہت ہے۔" ابوذر

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com

فخر سے اپنے دوستوں کو بتا رہا تھا۔ تیمور بھونچکا رہ گیا۔
ادھر دوستوں کے چہرے پر ستائش پھیل گئی۔ اتنا سلیقہ شعار ہر فن مولا بھائی۔ اللہ سب کو ہی دے۔
"مٹن والے نان میں لے آیا ہوں۔ کولڈ ڈرنکس اور رس ملائی فریج میں۔ سلاد میں بناؤں گا تو بس بھیجی گردے۔" ابوذر نے اپنائیت اور لجاجت سے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر کہا تھا۔
اور اسی چکر میں آج وہ تخریبی بدمزاج ڈھنگ سی بڑی آنٹی کے دروازے پر امید بیم کی حالت میں کھڑا تھا۔
آنٹی اسے دروازے پر چھوڑ کر کمال [illegible] چلی گئیں۔
"ایسا نہ کروں۔ پیکٹ کا کوئی مسالا لا کر گھول گھال کر ہانڈی رکھ دوں۔
یا کسی تو کلیجی والی ریڑھی سے پکی پکائی لے آؤں۔ کمال ہے یہ آئیڈیا پہلے کیوں نہ آیا اور بھاڑ میں گئی باجی بہن کی فکر میں کیا کروں۔"
آنٹی تو ٹھہرنے کا کہہ کر گئی تھیں۔ کہیں ڈنڈا یا کوئی اور ہتھیار ہی نہ لے آئیں۔ اسے اچانک خطرے کا احساس ہوا۔
"اے لڑکے!" دھاڑ کی آواز پر وہ لڑکھڑاتے ہوئے پلٹا۔ "ادھر منہ کر کے کیا کھڑے ہو ادھر دیکھو۔"
آنٹی کے ہاتھ میں ایک کٹوری تھی۔ جس میں مسالے تھے۔ "دیگچی میں ڈالو اپنے گردے بھیجے اور کلیجی۔ اب اس میں ڈالو چار عدد پیاز چھوٹی کاٹ کر۔ لہسن ادرک کا پیسٹ ڈالو یہ سارے مسالے ڈالو۔ دو عدد بڑے ٹماٹر۔ آدھا گلاس پانی اور گلنے کے لیے رکھ دو۔ کوئی بیس پچیس منٹ بعد دو ڈوئی کوکنگ آئل ڈال کر بھونو۔ اور خوب بھونو۔ لکڑی کی ڈوئی استعمال کرنا۔ جب گھی اوپر آجائے یعنی الگ سے سرخ سرخ نظر آنے لگے تو اوپر دھنیا پودینہ ہری مرچ کاٹ کر گارنش کرنا۔ سمجھے اور۔"
"جی۔ جی جی آنٹی تھینک یو ویری مچ۔" تیمور کے تو الفاظ گم ہو گئے۔ اتنی احسان مندی کہ کیا کہتے۔ دہرا سا ہو گیا۔ کہیں چرنوں ہی میں نہ بیٹھ جاتا۔

"میں۔ میں آپ کے لیے بھی لاؤں گا۔ میں۔"
"تم نے میری پوری بات نہیں سنی۔" آنٹی نے اسے گھورا۔ "اور دوبارہ اپنی شکل مت دکھانا ورنہ۔"
"نہیں پھوپھو! لانے دیجیے نا۔ ہم بھی تو چکھیں کیا بنتا ہے۔ تم لے آنا۔" پیچھے سے ایک شریر آواز گونجی اور پھر بھتیجی سامنے بھی آگئی۔
تیمور کے ہاتھ سے پیالی گرتے گرتے بچی۔ بلکہ وہ خود بھی گرنے سے بچا۔ نیلے لباس میں سینے پر ہاتھ لپیٹ کر بھرپور مسکراہٹ سے اسے دیکھتی۔ تیمور نے پلکیں جھپکیں۔ شاید وہم ہو یا شکل ملتی ہو یا۔ مگر وہ وہی تھی۔
"ہم بھی تو دیکھیں تیمور کے ہاتھ میں ذائقہ کتنا ہے۔ کیوں تیمور!"
"تم جانتی ہو اسے؟" پھوپھو کو بھتیجی کی بے تکلفی قطعاً نہ بھائی۔ عورتیں بھی تو اکیلی رہتی تھیں نا۔
"صرف جانتی۔" اس نے گردن کو ذرا سا جھٹکا دے کر بال شانے پر چھوڑے۔ "میں تو ان کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتی۔ کیوں تیمور؟" اسے تیمور کی حالت بے حد مزا دے رہی تھی۔
"جی جی۔ میں جاؤں۔ میں جاتا ہوں۔" چار قدموں کا فاصلہ طے کر کے کیسے گھر تک پہنچا جانے دیں۔

☼ ☼ ☼

عاشر کو گھر پہنچ جانے کی جتنی جلدی تھی۔ اس روز اتنی ہی دیر ہو گئی۔ گھر پہنچا تو میچ آخری مراحل میں تھا۔ ابوذر کے دوستوں نے رونق لگا رکھی تھی۔ اشتہا انگیز خوشبو بھی ان ہی کے گھر سے اٹھ رہی تھی۔
یعنی ایک اچھا دن۔ آج دل بھی سیر ہو گیا تھا اور اب پیٹ بھی۔ دسترخوان لگا ہوا تھا۔ دوست رخصت ہو گئے تب عاشر صوفے پر لیٹا۔ ایک انگڑائی لی۔
"بہت مشکل میچ تھا۔ آخر تک پھنسا ہوا۔" ابوذر بکھری چیزیں سمیٹ رہا تھا۔ تیمور منہ پھلا کر بیٹھا تھا۔

اور بہت چپ تھا۔ ابوذر نے جان لیا۔ اتنے سارے کام کرنے کے بعد وہ تھک گیا تھا اور اب کسی بھی چیز کو ہاتھ نہ لگائے گا۔
"آخر تک یقین نہیں تھا کہ پاکستان جیت جائے گی۔" ابوذر ہی بول رہا تھا۔ عاشر صاحب کے چہرے پر تو مسکان تھی۔ کسی اور ہی دنیا میں تھے۔ تیمور اور ابوذر کا دھیان نہ پڑا۔
"اور مجھے یقین تھا کہ جیت ہماری ہو گی۔" عاشر کا لہجہ پہنچے ہوئے بزرگ سا فلسفی تھا۔
"ایسے کیسے یقین۔ معجزہ ہی ہوا ہے جو وکٹیں مل گئیں۔" ابوذر متعجب تھا۔
"اس یقین کا تعلق وکٹوں سے نہیں ہے دراصل بعض دن ایسے بھی طلوع ہوتے ہیں جب ہر کام اچھا ہوتا ہے۔"
عاشر کے انداز میں سرشاری تھی۔ تیمور نے برا منہ بنا کر عاشر کو دیکھا۔
"یقین کرو اگر آج کے دن تم سامنے روڈ پر کھدائی شروع کر دیتے تو تیل کے ذخائر بھی نکل آتے۔"
"او میرے بھائی تو ہے کس جہان میں۔ کسی نے کچھ کھلا پلا تو نہیں دیا؟"
ابوذر نے فکرمندی سے تیمور کو دیکھا جو سکتے کی حالت میں تھا کب سے ادھر عاشر کے لبوں سے مسکراہٹ اور گنگناہٹ جدا ہی نہ ہو رہی تھی۔
"ہوا کیا ہے آج؟" ابوذر چلایا۔
"پاگل ہو گیا ہے آپ کا بھائی۔"
"تو کیا [illegible] جو اول جلول باتیں کر رہا ہے۔"
ابوذر نے تیزی سے آگے بڑھ کر عاشر کا سر ٹٹولنا شروع کر دیا۔
"ابے ہٹ۔ نہ صرف حال دل کہا بلکہ یہ بھی جان گیا کہ وہ کون ہے۔ ہر روز ٹی وی پر آتی ہے لیکن میرا دھیان ہی نہ گیا۔ ہائے اتنی کمزور تھی نزدیک کی نظر۔"
"ٹی وی کی لڑکی۔" تیمور چونکا۔
"آخر کون سی لڑکی؟" جیسے تیمور نہیں جانتا۔

عاشر نے ریموٹ پکڑ لیا۔ تیزی سے چینل بدلنے لگا۔ یکدم ٹھٹکا اور چلایا۔
ابوذر اور تیمور بھی ٹی وی آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگے۔
"کوکنگ آئل کا اشتہار تھا۔ میری چوائس صرف۔"
"یہ۔ یہ تو وہی ہے۔" عاشر سے پہلے ابوذر بول اٹھا۔
"ہاں میرے بھائی یہی ہے تمہاری ہونے والی بھابھی۔" عاشر کے منہ میں لڈو گھل گئے۔
"یہ۔" تیمور کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔
"یہ تو میری شیف ہیں۔ آئرہ امتیاز۔" وہ بے یقینی سے دونوں کے اثبات میں ہلتے سر دیکھ رہا تھا۔
"تمہاری شیف۔" دونوں چلائے ہم آواز ہو کر۔
"پھر تو تمہیں اس کا سارا بائیو ڈیٹا پتا ہو گا۔"
تیمور کا منہ دوبارہ نروٹھے بچے کا سا ہو گیا۔ سر اثبات میں ہلایا۔
"کہاں ہے اس کا گھر؟" عاشر اچھل کر تیمور کے صوفے پر شانے پر بازو رکھ کر بیٹھ گیا۔ بس بھائی کا منہ چومنے ہی والا تھا۔
"اس کا گھر۔ یہ ہمارے عین سامنے والا۔" (کتنی شرمندگی ہوئی تھی مسالے مانگنے چلا گیا)۔
"کیا؟" عاشر کو جیسے کسی نے اسٹاپ کہہ دیا۔
"ہمارے عین سامنے والا۔" اس نے تیمور کے الفاظ دہرائے۔ پھر اٹھ کر بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا۔ ساتھ بڑا بھائی بھی بن گیا۔
چٹاچٹ چھوٹے بھائی کے گال بھی چوم لیے۔
"یعنی کے عین سامنے والا۔"

☼ ☼ ☼

"جیسے تمہارے خیالات تھے۔ تمہاری شادی تو لوہے کا چنا ثابت ہونی تھی اور تم اتنے مزے سے بتا رہی ہو۔" دنیا کی حیرت جاتی نہ تھی۔

READING CORNER http://readingcornerpk.blogspot.com

"بس مجھے خلوص کی مہک آگئی۔" آمنہ مسکرائی۔
"تم لوگوں کو سونگھ کر چیک کرتی ہو۔" ایراد کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
"بکو مت۔" آمنہ جھنائی' جبکہ پھوپھو اور بیا کھلکھلا دیں۔
"اس نے سیدھے سیدھے شادی کا کہہ دیا۔ میں نے کہا میں تو آپ کا نام تک نہیں جانتی اور آپ نے کیسے منہ کھول کر کہہ دیا۔
"وہ بولا زیر لب کہتا تو بھی آپ کو شکوہ ہوتا صاف بات کیوں نہیں کرتا۔"
میں نے کہا۔ "مجھے تو آپ کی خود اعتمادی پر حیرت ہے۔"
اس نے کہا اور مجھے آپ کی بیلو تھی پر۔ آخر آپ کو میری آنکھوں میں جلتی محبت کی جوت اور سچائی کا علم نظر کیوں نہیں آتا۔
اور اس کے اس جملے کے بعد میری بولتی بند ہو گئی۔ اس کے پاس ہر اعتراض کا جواب تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا میں اس سے باتوں میں نہیں جیت سکتی۔ اس کی پوری شخصیت تو کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتی ہے۔ پھر بات کرنے کا سلیقہ۔۔۔ سب سے بڑھ کر وہ چرب زبان تو ہے مگر لفظوں کا مہذب استعمال جانتا ہے۔ اور زبان پر اعتبار نہ بھی کرو تو۔ اس کی آنکھیں جھوٹ نہیں بولتی تھیں۔"
آمنہ کا انداز بے بس ہو گیا۔ پھوپھو سر پکڑ کر بیٹھی تھیں۔
"یہ سب بیکار کی باتیں ہیں۔ دراصل جس طرح ہر بار وہ تمہارا سامان اٹھا اٹھا کر پہنچا رہا تھا۔ تم نے سوچا اس سے بڑھ کر بہترین لوڈر کہاں ملے گا۔" بیا نے قصہ کوتاہ کیا۔
"بیا کی بچی۔۔۔!" آمنہ نے اس کے کندھے پر چپت لگائی۔ "اور اب تو یہ پتا لگ گیا کہ وہ ہمارے ڈائریکٹر کا بڑا بھائی ہے۔"

پھوپھو کے چہرے پر تسلی پھیلی۔ "وہی جو سالے مانگنے آیا تھا۔ اور یہ بات تو خیر سب ہی کہیں گے دعوے سے۔۔۔ کہ اتنے عرصے سے یہاں ہمارے سامنے رو رہے ہیں۔ نہ تو ہمیں کسی قسم کی شکایت ہوئی اور نہ ہی کسی اور سے کوئی اعتراض سنا۔ ورنہ تو' فیملیز سے دور رہتے لڑکوں کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سنتے ہی ہیں۔"
پھوپھو کی تعریف ایک دوسند بن گئی۔
ایراد نے بھول بھال شروع کر دی۔ "راجہ کی آئے گی بارات رنگیلی ہو گی رات۔
بھابھی بھی بہت خوش ہیں۔ اور بھائی جان فوکی بیک گراؤنڈ سے مطمئن۔"
شاہی پھوپھو نے مزید کہا۔ آمنہ مسکرانے لگی۔ تب ہی بیا نے ٹھنڈی سانس بھری۔
ایراد نے کان اور کے بیا۔ "آپ کو کیا ہو گیا؟"
"ہائے جو شادی سے بھاگی تھی۔ اس کے سہرے کے پھول کھل گئے۔ اور میں جو زندگی میں صرف شادی ہی کرنا چاہتی تھی۔ حق ہا۔"
"بس جی اپنی اپنی قسمت ہے۔ جو بہت دور تھا وہ سامنے والا نکلا اور جو سامنے ہے۔" بیا بیچ میں صدمے میں تھی کہ یہ دھیان ہی نہ تھا۔ کیا بولنے لگی ہے۔
"وہ کتنی دور۔۔۔؟"
"سامنے کون سامنے ہے۔" آمنہ نے پوچھا۔
"وہی باڈی بلڈر۔ جو ہو بہو میرے آئیڈیل لڑکے سے مشابہ ہے بلکہ آئیڈیل ہی ہے۔"
"آئیڈیل لڑکا سامنے رہتا ہے۔ اور تمہیں کیسے پتا۔ تم اس سے کب ملیں؟" پھوپھو کا بھاری بھرکم احساس ذمہ داری بیدار ہوا۔
"اتفاقاً" بیا نے لاپروائی سے ہچکی لی۔
"بیا کی بچی صاف بولو۔ تمہاری ماں نے میری نگرانی میں تمہیں بھیجا ہے۔ وہ تو کچھ کیے بغیر بھی میرا ناطقہ بند رکھتی ہیں اور تم لے کر آ گئیں نئی کہانی۔ شروع ہو جاؤ۔" پھوپھو نے حکیمانہ انداز اختیار کیا۔ ساتھ ہی

پکڑی لینے کی کوشش کی۔ (ناکام)
"آئے ہائے" بیا تڑپی اچھلی اور پھر بولنا شروع ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"جو تک سے بوتیک ڈریسز آئے تھے آمنہ کے لیے۔ یاد ہے ناں کیسے کیسے شاندار پرنٹ تھے کہ منہ میں پانی آتا تھا۔ وہ سفید اور گلابی اور سیاہ مجھے کس قدر پسند آیا۔ اور ہلکا نیلا اور گہرا نیلا بلاک پرنٹ ہائے۔ کوئی اچھے دل والی بہن ہوتی تو خود ہی سے ایک ایک دے دیتی۔ مگر اس نے مانگنے سے بھی نہیں دیے۔
پھر میں نے انتقام لینے کا سوچا اور سارے کپڑے بدل بدل کر پہن کر گھر میں خوب گھومی مگر وہ جو پسندیدہ ترین تھا۔ اسے پہن کر تیری سے ملنے چلی گئی۔ یہ شو تک پر تھی۔ میں اپنے خیالوں میں شاداں فرحاں تنی۔ خوب شمار کے آئی تھی۔ اب جب آخری سیڑھی پر قدم رکھا تو کیا دیکھتی ہوں سامنے سے آمنہ چلی آ رہی ہے۔ بس بھاگی کہ جلدی سے اندر گھس جاؤں تو پھوپھو نے دروازہ نہ کھولا۔
تب میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ سامنے والے گھر کا دروازہ بجا دیا۔ دروازہ بلک جھپکتے کھلا۔ اور میں کچھ بھی دیکھے بغیر اندر گھس گئی۔
"پلیز آپ مجھے تھوڑی دیر کے لیے اندر رہنے دیجیے پلیز میں بس پندرہ منٹ بعد چلی جاؤں گی۔
"لیکن آپ ہیں کون؟ کہاں سے آئی ہیں اور کہاں چلی جائیں گی۔"
"میں بیا ہوں۔ شیری کے گھر سے آئی ہوں اور اپنے گھر چلی جاؤں گی۔ پلیز۔ اس وقت مجھے پناہ کی اشد ضرورت ہے ورنہ آج میری جان چلی جائے گی۔ اگر آپ نے میری ہیلپ نہ کی تو آج۔۔۔ اف۔" میں نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔
"میں کیسے یقین کر لوں کہ آپ واقعی خوف زدہ ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ ڈھونگ رچا کر شریف لوگوں کو لوٹتی ہوں یا ان پر الزام لگا کر بلیک میل کرنا چاہتی ہوں۔"
"ارے! میں آپ کو ایسی ویسی نظر آتی ہوں۔ یہ سامنے والے گھر میں تو رہتی ہوں شاہی پھوپھو کے گھر۔ آپ کی پڑوسن ہوں اور میرے برے وقت میں آپ مجھے ایسے کہہ رہے ہیں۔"
وہ فوراً "میری انتہائی مجبوری" سمجھ گیا۔ سر ہلانے لگا' پھر تیزی سے دروازہ کھولنے لگا تب میں دروازے کے آگے دیوار بن گئی۔
"آپ مجھے گھر سے نکال رہے ہیں۔" میری آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے تھے شاید۔
"نہیں نہیں۔۔۔" وہ معصوم بھیچکا ہوا۔ تب مجھے یاد آیا امی کہتی تھیں۔ روتے ہوئے میں بڑی مظلوم و معصوم لگتی ہوں۔ خاص طور پر میری بھری ہوئی آنکھیں تو دل کو۔۔۔ تو شاید اس پر بھی ایسا ہی اثر ہوا ہو۔"
"جو آنٹی کہتی ہیں اسے ماننا کہتے ہیں بیا!" آمنہ نے بمشکل خود پر ضبط کیا۔
"ہاں ہاں۔۔۔ لیکن میری بھری آنکھوں میں اک اثر تو ہے ناں۔" ساتھ ہی اس نے پلکیں تیز تیز جھپک کر یقین دلانے کی سعی کی۔
"اچھا او کے او کے۔۔۔ اب آگے بتائیں پھر کیا ہوا۔"
"وہ بولا گھر سے نہیں نکال رہا صرف دیکھ رہا ہوں کہ ایسا کون مائی کا لال ہے جو ہمارے اپارٹمنٹ کے اندر تک گھس کر لڑکی کو اس طرح ہراساں کر رہا ہے۔ میں اس کا جبڑا توڑ کے اس کے ہاتھ میں سجا دوں گا اس کی جرات کیسے۔" اس نے مکا تان لیا۔ گردن کی رگیں تک پھولنے لگیں۔
"نن۔ نا نہیں۔ وہ مائی کا لال نہیں لالی ہے۔ میرا مطلب ہے وہ ایک لڑکی ہے۔ میرا مطلب ہے۔"
"آپ ایک لڑکی سے خوف زدہ ہیں اتنی بری طرح۔۔۔ مگر کیوں؟"
اب میں اسے کیا بتاتی کہ جس کی بہن ٹی وی کی مشہور و معروف ہستی ہو جسے بڑے بڑے ڈیزائنر

READING CORNER http://readingcornermk.blogspot.com/

محض پبلسٹی کے لیے اپنے سوٹ پہننے کو دیے جاتے ہوں اور مجھ جیسی بہن اس کے کپڑے ہمیشہ اس کے پہننے سے پہلے سارے شہر میں پہن کر گھوم لے۔ وہ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر جتنی بھی خوف زدہ ہو کم ہے مگر بات کرتے ہوئے بیا مطمئن تھی۔ اگر جو رک کر آمنہ کا چہرہ ایک بار دیکھ لیتی بس ایک بار۔

"وہ لڑکی نہیں ہے۔۔۔ وہ"

"اچھا آپ یہاں بیٹھیں۔ میں آپ کے لیے پانی لاتا ہوں۔" "تب مجھے احساس ہوا کہ میں کتنی پیاسی تھی۔ اور دل کیسا بے قابو تھا۔ آواز لگا کر کہا۔"

"اس میں گلوکوز بھی ملا دیں۔" "وہ اتر جائے گا بالآخر۔"

"اچھا!" آمنہ نے پھٹ پڑنے کی حد تک کھلی آنکھوں کو گھورا۔ "پھر گھر کیسے پہنچیں۔"

"پھپھو کو کال کر کے صورت حال بتا کر۔ وہ بہانے سے انہیں اپنے بیڈ روم میں لے گئیں۔ میں دبے قدموں اپنے کمرے میں گھس گئی۔ کپڑے بھی پریس کر کے ٹھکانے پہنچائے۔"

"پھپھو آپ بھی؟" آمنہ کے دو حرفی سوال میں کیا کیا نہ تھا۔ مگر دھیان کسے تھا۔

"پھر دوبارہ اس باڈی بلڈر سے ملاقات ہوئی؟"

"روبرو تو نہیں ہوئی مگر ایک لحاظ سے ہر روز ہی ہوئی۔"

"یہ کیسی بات ہے؟"

"دراصل وہ ہو بہو میرے خوابوں کے شہزادے سے مشابہ ہے۔ سو بھی دھیان کے پردے سے اوجھل ہوا ہی نہیں۔" بیا نے شاعرانہ مثال دی۔

"دھیان کی بچی۔ اپنی ماں کی خبر ہے۔ وہ یہ الزام بھی مجھ پر ڈال دیں گی۔" پھپھو نے اس کا شانہ دبوچ کر اسے ہوش دلانے کے لیے آگے پیچھے ہلانے کی کوشش کی۔ مگر بیا کو ہلانا کوئی آسان کام تھا۔

"یہ میرے کپڑوں کا کیا قصہ ہے۔ تم لوگ میری غیر موجودگی میں میرے کپڑے جو کہ مجھے پبلسٹی کے لیے دیے جاتے تھے۔ انہیں پہن کر گھومتی ہو۔ گھر سے باہر۔ ہائے۔"

باڈی بلڈر کے خیالوں کے جھولے میں جھولتی بیا جیسے زمین پر گری۔ تبھی ہوش میں آئی۔ کیا کیا کہہ گئی۔ اس نے اچنبھے سے ارد گرد دیکھا۔ جو غیر محسوس طریقے سے اس کے کمرے میں جا رہی تھی پھر پھپھو کے۔ کئی کپڑے تو وہ بھی پہن چکی تھیں۔ اور بچاؤ کے لیے اپنے کمرے کے دروازے تک بھی پہنچ چکی تھیں۔

"مجھے ہمیشہ لگتا تھا کپڑوں میں ایک نیا پن نہیں ہے۔ مگر اب۔ میں تم لوگوں کو آج نہیں چھوڑوں گی۔" آمنہ حلق کے بل چلانا شروع ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

سینٹرل ٹیبل پر مٹھائی کا ٹوکرا رکھا تھا۔ عاشر کے عین سامنے ابوذر بیٹھا تھا اور مٹھائی کھا رہا تھا مگر انداز کچھ یوں تھا جیسے جبراً کھلائی جا رہی ہو کہ تم کو ہی ختم کرنا ہے۔ تیمور اور عاشر اس کے عین سامنے صوفے پر بیٹھے بہت ہی دیر سے اس کی جبری مشقت دیکھ رہے تھے۔ ان کی حالت کی وجہ سمجھ سے بالاتر تھی۔ پوچھ پوچھ کر تھک بھی گئے۔ منہ سے کچھ نہ پھوٹا۔ اور جب دونوں چپ ہو گئے تب بولنا شروع ہو گیا۔

"تم لوگوں کا دل نہیں چاہتا کہ تم لوگ بھی اسی طرح میری بات طے ہو جانے کی خوشی میں مٹھائی لاتے؟"

دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور منہ سے نا کی آواز ایک ساتھ نکالتے ہوئے زور زور سے گردن بھی نفی میں ہلائی۔

"کم از کم اس طریقے سے تو نہ کھاتے۔ جیسے یہ احسان جتا کر کھا رہا ہے۔" عاشر نے دانت پیس کر کہا۔

"تم لوگوں کو میرے سہرے کے پھول کھلنے کا کوئی ارمان نہیں؟" دونوں نے نتھنے پھلا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور زور زور سے گردن نفی میں ہلائی۔

"اب سہرے کا رواج ہی نہ رہا۔ وی آر ویری پریکٹیکل۔"

ابوذر غم سے دوہرا ہو گیا۔ ایک ہچکی لی اور پھر کھانستے کھانستے دوہرا ہونے لگا۔ تیمور نے پانی کا گلاس زوردار آواز سے شیشے کی میز پر رکھا۔ کچھ چھلک بھی گیا۔ ہچکی تو کسی اختیار نہیں نکلی تھی۔ ثابت برفی نگلنے کی کوشش میں نکلی تھی۔

"اگر اس بلاوجہ کی اداکاری اور بسیار خوری سے ہٹ کر صاف بات کرلو تو شاید معاملہ حل ہو جائے۔" عاشر بولا۔

"ہم دونوں نے ایک اسکول میں پڑھا۔ کالج بھی ایک۔ پھر یونیورسٹی بھی۔ ہر جگہ ساتھ ساتھ رہے۔ ایک دوسرے کے کپڑے جوتے تبدیل کر پہنے۔"

"ایکسیوزمی۔" عاشر نے انگلی اٹھائی۔ "صرف تم نے پہنے میرے کپڑے جوتے۔"

"ہاں ہاں میں نے۔" ابوذر نے اختلاف سے گریز کیا۔

"تو کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ زندگی کے اس نئے سفر کے آغاز میں۔ بھی میں تمہارے ہم قدم رہوں؟ ہم دونوں زندگی کے نئے سفر کا آغاز بھی اکٹھے کریں؟"

"مگر شادی کے لیے تو ایک لڑکی کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔" عاشر نے گہری بات کی۔

"ہاں تو ہے ناں۔ وہ بیا!" آخر کار منہ سے نکل ہی گیا۔

"یہ بیا کون ہے؟" دونوں بھائی ایک بار پھر ہونق ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"تم لوگوں کو بیا کا نہیں پتہ۔" ابوذر رو دینے کو ہو گیا۔

دونوں نفی میں سر ہلانے لگے پھر یک دم تیمور چلایا۔

"بیا۔"

"وہ میڈم آمنہ کی کزن۔" (تیمور کے منہ پر ابھی بھی نہیں۔ چڑھا تھا)

"تو نے اسے غور سے دیکھا ہے ناں؟" عاشر کو شک ہوا۔ ابوذر نے سر ہلا دیا۔

"ہاں ٹھیک ہے وہ چھپنے کی چیز بھی کب ہے۔ ایک بار نظر آ جائے تو پھر کتنی ہی دیر تک نظر آتی ہی رہتی ہے۔"

"اور فقط ایک ہی ملاقات میں یہ اتنا متاثر ہو گیا کہ ایسی تباہی مچانے پر آگیا۔ افسوس صد افسوس۔" تیمور نے دکھ سے مٹھائی کے ٹوکرے کو دیکھا۔

"ایک ملاقات کب۔ تیسری ملاقات۔"

"تیسری۔ کیسے بھلا۔ ایک تو وہ جب سب لوگوں کے ساتھ حیدرآباد گئی تب۔ اور دوسری بات طے ہونے والے دن۔"

"نہیں اس سے بھی پہلے۔ جب وہ یہاں گھر آئی تھی۔"

"گھر آئی تھی۔ کب آئی تھی؟" دونوں چونکے۔

ابوذر شروع ہو گیا۔ وہ اس دن کا واقعہ جزئیات کے ساتھ بتا رہا تھا جب بیا نے آمنہ کے کپڑے پہن رکھے تھے اور وہ ناچو کی درخواست لے کر آئی تھی۔

"بس اس کی وہ ہراساں آنکھیں۔ بار بار گھڑی دیکھنا پھر اٹھ کر کھڑکی سے جھانکنا۔ اضطراب سے ہاتھ مسلنا۔ جیسے میرے دل کے سارے دروازے کھلتے چلے گئے۔"

"مگر وہ کچھ۔ (عاشر نے موٹی کہنے سے گریز کیا) تھوڑی بھاری نہیں ہے؟"

"تھوڑی نہیں وہ کافی بھاری ہے مگر چلے گی۔ بالکل چلے گی مجھے ایسی ہی لڑکی درکار تھی۔" وہ سر دھن رہا تھا۔

"شادی تو ہم ایک ہی دن کرلیں گے۔ مگر دونوں دلہنوں میں اتنا فرق۔ ایک اتنی نازک اور ایک اتنی وزنی۔" عاشر ہچکچایا۔

"کچھ فرق نہیں پڑتا۔" ابوذر کی ساری بے زاری اڑن چھو تھی۔ "نازک عورت سراسر درد سر ہے۔" عاشر نے اسے گھور کر دیکھا۔ "اور وزنی عورت درد کندھا۔"

اس بار فلک شگاف قہقہہ تیمور نے لگایا۔ پھر تینوں ہنس پڑے۔

☆ ☆ ☆

گھر بھر میں شادیانے بجنے لگے۔ عاشر کا بس چلتا تو

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com

بس اگلے جمعے ہی کو تقریب سعید کا دن رکھ لیتا۔ مگر اماں جان نے بڑی بہو کی ڈلیوری سے مشروط کر دیا۔

عاشر شادی تک کے پیریڈ کو خوب انجوائے کرنا چاہتا تھا۔ مگر آمنہ نے منع کر دیا وہ کسی بھی طرح نظروں میں آکر لائیو کالرز کے منہ کھلوانا نہیں چاہتی تھی۔

"مگر ہم گھر تو مل سکتے ہیں۔" عاشر نے فرمائش جڑ دی۔

"تو ہم شادی کے بعد مل تو لیں گے نا۔" آمنہ نے بات ہی ختم کر دی۔

"میں چاہتا ہوں ہمارے درمیان انڈر اسٹینڈنگ ڈیولپ ہو۔ ہم ایک دوسرے سے واقفیت حاصل کر سکیں۔ ایک دوسرے کی پسند ناپسند کے بارے میں۔"

"اور اگر ہم اس میں کامیاب نہ ہو سکے یعنی مزاج بالکل الٹ نکلے تو کیا آپ رشتہ ختم کر لیں گے۔"

"ارے اللہ نہ کرے کیسی بات کرتی ہو۔"

عاشر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ دوسری جانب پیا کوئی شوبز کی بندی تو نہیں تھی کہ اس کے تحفظات ہوتے اور پھر ابوذر تو خوابوں کے شہزادے سے مشابہ تھا اور اب تو مانو دل کی سلطنت کا آقا بن چکا تھا اور وہ جیسے کنیز۔ مگر جتنی نزاکت لفظ کنیز میں ہے وہ اس کنیز میں کہاں۔

کہاں چار حرفی لفظ کنیز۔ اور کہاں چار جانب پھیلی پیا۔

وہ شادی تک کم از کم بیس کلو وزن کم کر لینا چاہتی تھی اور اس سے پہلے ابوذر کے سامنے آنا گوارا نہیں تھا۔

وہ سرخ جوڑے میں ایک ہی بار چلبلی نار بن کر سامنے آنا چاہتی تھی۔

اور ان خود ساختہ پیش بندیوں نے عاشر اور ابوذر کے ارمانوں کا جنازہ نکال دیا تھا۔

ڈیڈی کی جانب سے اعتراضات کا ڈر بھی جاتا رہا۔ وہ ان رشتوں سے بے پناہ خوش تھے۔ ہر ایک کو بتاتے ’کوکنگ شو والی لڑکی ان کی بہو ہے۔ اسے شاپنگ پر بھی لے کر گئے۔ عاشر نے ڈرائیونگ کی پیش کش کی تو پیا جھپٹ لی۔

"ہم دونوں کے بیچ تمہاری کوئی جگہ نہیں۔"

"انکل مجھے بھی نہیں لے جائیں گے۔" پیا بولی۔

"تمہیں لے جاتا ہوں۔" ابوذر کے دل کی کلی کھلی۔

"کل شام کا ڈنر تمہارے ساتھ ہو گا۔" ڈیڈی نے پیا کا دل توڑنا بھی مناسب نہ سمجھا۔

"کیا میرے لیے وقت نکالیں گے۔" ابوذر نے بھی لگے ہاتھوں پوچھ لیا۔

"بالکل نکالیں گے۔ لیکن اگر تمہیں زیادہ جلدی ہے تو عاشر ابوذر بہن کو لے کر جاؤ اور جو ہے سو ریٹ۔"

گاڑی یہ جا وہ جا۔

عاشر اب ٹھنڈی چائے کے ساتھ پاپے کھاتے ہوئے دس ازمائی کوکنگ ٹائم کا شو مکرر رات کے ٹائم دیکھتا۔ جہاں آمنہ امتیاز کے ہاتھ کے پکوان۔۔۔

"اف اللہ۔"

وہ شیشے کے دیدہ زیب باؤلوں میں دودھ دلاری سجاتی۔ بریانی کی تہیں جماتی اور اٹھاتی۔

جب دال کو بگھار لگاتی تب عاشر ایسے سانس کھینچتا جیسے خوشبو اندر اتر رہی ہو۔

پیزا میں کٹ لگاتی اور کیک پر چاکلیٹ کون سے ڈیزائن بناتی۔

تب عاشر کو آمنہ پر ٹوٹ کر پیار آتا اور اس کی مہارت پر اور زیادہ۔

عنقریب یہ ذائقہ دار پکوان پکانے والی سمیت اس کی دسترس میں ہوں گے۔

وہ ٹھنڈا اکڑا نان پورا زور لگا کر چبا گیا۔

"پھر زندگی میں کوئی غم نہ ہو گا۔"

"میری بھی۔" ابوذر ہانک لگاتا۔ "پیا نے بتایا مجھے اس کی امی نے سب کام سکھائے ہیں اسے۔"

"اس روز آمنہ بھابھی نے کتنے مزے کی مٹھائیاں بھیجی تھیں۔"

"ہاں نا۔"

دونوں پاس بیٹھے تیمور کو جیسے بھول ہی جاتے اور وہ دانت سختی سے جمائے۔ لب بھینچے دونوں کی گفتگو سن کر اس دیوار کو ڈھونڈتا جس میں سر مار سکے۔

اس گھر پر اچھا وقت آنے والا تھا یا۔۔۔

وہ آگے سوچ نہ پاتا۔

☆ ☆ ☆

پہلے شادی، پھر ہنی مون کے بعد دعوتیں وغیرہ۔ خوب لمبی چھٹیاں اختتام کو پہنچیں۔ اپنی اپنی ڈیوٹیز پر جانے سے قبل ڈیڈ نے کھیر پکوائی کی رسم کا اعلان کر کے سب خاندان کی ایک گرینڈ دعوت رکھ لی۔

اماں جان کا اصرار روایتی بناؤ سنگھار کا تھا۔ جبکہ ڈیڈ کی ساری دلچسپی پکوانوں پر تھی۔

آمنہ سمیت تمام اہل خانہ بھی حیران رہ گئے کہ نام کھیر پکوائی کا تھا اور ڈیڈ کا بس نہ چلتا تھا کہ کیا کیا نہ پکوا لیں۔

زعفرانی مغزیات کی کھیر۔ بادامی قورمہ۔ مغزیات والا بکرے کے گوشت کا پلاؤ۔ سب شیریں۔ مسالا چکن۔ پائن ایپل فریش جوس۔

دعوت شان دار رہی۔ آمنہ کی اپنی ذاتی ہیلپر بھی کچن میں ساتھ ساتھ موجود تھیں اور سب ہی پیچھے سے ترتر۔

دعوت میں آئے سارے لوگوں کا اشتیاق دیدنی تھا۔ زندگی میں پہلی بار کسی پروفیشنل کوکنگ ایکسپرٹ کے ہاتھ کا کھانا کھانا تھا۔

آمنہ نڈھال ہو گئی۔ اماں جان کو غش آ گیا۔

ساری تقریب میں ذائقے کی واہ واہ ہوتی رہی۔

خوب سلامی ملی۔ عاشر سینہ پھلائے گھومتا رہا۔ نذیر کچن سمیٹ سمیٹ کر ہلکان ہو رہا تھا۔

اور آمنہ کی حالت سب سے تباہ تھی۔ اس کی کمر تختہ تھی۔ آنکھیں نیند سے پھٹ جانے کو تھیں۔ جسم ٹوٹ رہا تھا۔ اف ایسا پہلے کبھی ہوا تھا جو آج۔

☆ ☆ ☆

"کیسی خوش گوار صبح آج فلیٹ میں اتری تھی۔" عاشر نے گیلری میں آکر انگڑائیوں اور جمائیوں کے درمیان سوچا۔ کچن سے اٹھتی چائے کی مہک۔ اور دھیرے دھیرے گفتگو کرتی آمنہ۔ عاشر اٹھا آملیٹ کے مزے دار ناشتے کا منتظر تھا۔ مگر چائے کے ساتھ ابلا انڈا، سینکے توس اور جیم وہ بھی یوں کہ آمنہ سلائس پر جیم لگا کر بڑھاتی جاتی تھی۔

انسان اس سے زیادہ کی خواہش کرے تو ناشکرا نہ کہلائے۔ عاشر نے کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کی۔ الحمدللہ میرے مالک۔

شادی کی چھٹیوں کے بعد آج دونوں ہی کو آفس جانا تھا۔ عاشر کے نکلتے نکلتے شو میں آمنہ کی ہیلپر کی حیثیت سے کام کرنے والی ماسیوں کا بھی فون آ گیا۔ آمنہ نے ان سے گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے عاشر کو خدا حافظ کہا۔ عاشر کے ٹیک کیئر کہنے پر اسے بھی کچھ ہدایت اس ادا سے کی کہ عاشر نے سوچا۔ نوکری کو لات مار کے باقی زندگی زلف جاناں کے سائے میں گزارنا کیسا آئیڈیا ہے؟ مگر دروازہ بند ہو چکا تھا۔

اتنے دنوں کی غیر حاضری نے کام کا بہت سا بوجھ لاد دیا تھا مگر عاشر نے صبح کے پہلے ہی گھنٹے میں کتنے ہی فون کر ڈالے۔

"یہی کہ کیا کر رہی ہو۔ اچھا سا ناشتا کر لیتا۔ بور تو نہیں ہو رہیں۔"

"میں سو رہی ہوں عاشر۔ پلیز اب کال نہ کرنا میں فون بند کر رہی ہوں۔ ابھی نیند لوں گی تو فریش نظر آؤں گی نا۔ اتنے دنوں کی ایبسنٹ کے بعد لوگ ویسے ہی ہر چیز کو نوٹ کریں گے میں نہیں چاہتی کہ۔۔۔"

"او کے۔ او کے۔ تم سو جاؤ مگر یہ بتاؤ وہ پہن کیا رہی ہو؟"

"ابھی کچھ نہیں پتا دیکھ لینا نا۔" اس کی بڑی سی جمائی عاشر کے کانوں میں گونجی تو اسے اس جمائی پر بھی پیار آ گیا۔

دن میں اس کا پورا ارادہ تھا کہ وہ آفس کا ٹی وی آن کر کے آمنہ کو دیکھے گا ضرور مگر ایسا میٹنگز میں پھنسا کہ ہر

شے بھول گیا۔
شام آفس سے واپسی پر سیڑھیوں ہی سے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا جب گنگنا رہا تھا تو اس بات سے بے خبر تھا کہ کئی لوگوں نے اسے معنی خیزی سے دیکھا تھا۔ نئی نویلی دلہن پہچانی جاتی ہے تو دولہے بھی کہاں چھپ پاتے ہیں۔

زیر لب مسکراتے، گنگناتے، کچھ کچھ بوکھلائے سے لگتے نوجوان اگر آپ کو بھی کہیں ارد گرد نظر آئیں تو جان لیں کہ مرغا ابھی نیا نیا پھنسا ہے۔ ہی ہی۔

☼ ☼ ☼

پہلا جھٹکا جیب میں ہاتھ ڈالنے پر لگا۔ ارے صبح چابی لے جانا تو بھول ہی گیا۔ (کہاں تو یہ ارادہ تھا چپکے سے دبے قدموں اندر جا کر بجی سنوری منتظر بیگم کو ہو کہے گا اور جب وہ سہم کر اس سے لپٹ جائے گی تب کہے گا ارے یہ تو میں ہوں۔" مگر حسرت ان غنچوں پہ۔)

سوچ ادھورے مصرعے پر ہی رک گئی اور انگلی بیل پر رکھ دی۔

مگر یہ کیا! کہاں تو بیل کو دھیرے سے چھوا تھا اور کہاں پورا ہاتھ جما دیا۔ مگر دروازہ کھل کر نہ دیا۔ ہاں سامنے دروازے سے ارا کا مسکراتا چہرہ نمودار ہو گیا۔

"ہیلو عاشر بھائی۔ آفس سے آ گئے؟"

"او ہیلو۔ ہاں آ گیا۔" اس کے چہرے پر کچھ حواس باختگی تھی۔ "یہ آمنہ دروازہ نہیں کھول رہی۔ خیر تو ہے۔ نا میں فون ملا رہا ہوں تو بند جا رہا ہے۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات۔ وہ آفس سے آ کر سوتی ہیں نا اور فون بند کر دیتی ہیں۔" ارا نے لاپروائی سے کہا۔

"ہاں۔ مگر۔" عاشر کی سانس بحال ہوئی۔ "ابھی سوا سات بج رہے ہیں۔"

"ہاں تو کیا۔ گھنٹے تک اٹھ جائیں گی۔ آپ اندر آ جائیں۔ میں نے چائے کے ساتھ پکوڑے بنائے ہیں۔ دراصل مجھے صرف پکوڑے ہی بنانے آتے ہیں۔ وہ بھی اس لیے کہ نا تو نہیں بیلنا پڑتا ہے نہ گول کرنا پڑتا ہے۔ بس چمچے سے پکڑ کر تیل میں ڈالتے جاؤ سمپل۔"

چائے مزے دار تھی اور پکوڑے بہت برے بھی تھے اور چورے کی شکل میں بھی۔ مگر ذائقہ دار تھے۔ عاشر کا ارادہ تو پیٹ بھرنے کا تھا۔ مگر پھر ڈنر کے وقت آمنہ برا نہ مانتی کہ شادی کے بعد کا پہلا ڈنر۔ اور وہ پکوڑے کھا بیٹھا۔

"نہیں بس۔"

"ارے کیوں؟ لیں نا۔ بھوک [illegible] کب آئی ہے۔"

عاشر کے جواب سے پہلے اپنے گھر کی بیل بجنے کی آواز آئی۔ پھر ساتھ چابیوں کی آواز اور دروازہ کھلا۔ تیمور تھا۔ تھکا ماندہ۔ شو کا ٹائم تو مخصوص تھا لیکن اگلے دنوں کی تیاری کے لیے اسٹاف کو رات گئے تک کام کرنا پڑتا تھا۔ عاشر گھر کی جانب تیزی سے آیا۔

تیمور واش روم میں گھس گیا تھا۔ عاشر بیڈ روم میں آیا۔ اے سی کی کولنگ بڑھی ہوئی اور نائٹ بلب کی روشنی۔ کیا خوابیدہ خوابیدہ ماحول تھا۔

کہاں تو وہ نک سک سے درست بیوی کا سراپا سجا کر آیا تھا اور کہاں یہ۔ مگر اس پر بھی پیار آیا۔ مگر یہ پیار تشویش میں بدل گیا جب آمنہ کو اٹھانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو گیا۔

"مجھے بھوک لگی ہے آمنہ! بے حد و بے حساب۔ پلیز اٹھو نا ڈنر اکٹھے ہی کریں گے۔ کیا بنایا ہے تم نے؟"

"میں نے بنایا؟ کچھ بھی نہیں۔ میں تو سو گئی تھی۔ آفس سے آ کر سو جاتی ہوں۔"

"تو کھانا کب کھاتی ہو؟"

"رات کو میں ویسے ہی کھاتی ہی نہیں، بلکہ چھ بجے کے بعد کچھ بھی نہیں کھاتی۔ بہت ہوا تو فروٹ لے لیا۔ آپ بھی لے لیں۔" آمنہ کی آنکھیں اب تک نیند سے مندی ہوئی تھیں۔ جبکہ عاشر کی پھٹ پڑنے کو تھیں۔

"تو کھانا۔ کھانے کا کیا ہو گا؟ آئی مین ابھی ڈنر

بوکھلاہٹ میں جملے تک اٹک رہے تھے۔

"کوئی ڈیل منگوا لیں، یا بریانی وغیرہ۔"

"تو وہ تو آج کا مسئلہ حل ہو گا نا، تو پھر کل۔ کھانا کون بنائے گا۔"

"ہاں نا۔ تو وہ بات۔ میرا مطلب ہے یہ بات تو میں آپ سے کرنا چاہ رہی تھی۔ کسی کھانا بنانے والی کا بندوبست کریں نا ڈھونڈیے کوئی۔"

"کیا۔" عاشر کے سر پر چھت گری گویا۔

"تو۔ تم کھانا نہیں بناؤ گی میرے لیے۔ اپنے ہاتھوں سے۔ پیار سے۔ محبت سے۔" آمنہ نے اب اس کے لہجے کی ٹوٹ پھوٹ کو شاید سنا۔

"بناؤں گی نا۔ اوئے مرے سڑڑے منڈے۔" اس نے کسی بچے کو پچکارنے کے سے انداز میں عاشر کی ٹھوڑی کو چھوا۔

"تو باقی دن کیا کرو گی۔ تب کون بنائے گا۔ تم کیوں نہ بناؤ گی؟"

"تو باقی دن تو میں چینل پر کوکنگ کرتی تو ہوں نا۔ پہلے دو آئٹمز بنانے ہوتے تھے اب ویورز کی خواہش ہوتی، دو گھنٹے میں 'میں' کوئی دس چیزیں سکھا دوں۔ آج بھی چار آئٹمز تھے۔ اسی لیے تو آپ سے کہہ رہی ہوں کک کا بندوبست کر لیں۔"

"یار! دوپہر کو بنا لیا کرو۔" عاشر کو خیال سوجھا۔

"دوپہر کو تو میں پروگرام کی پریپریشن کرتی ہوں، وہ تو اتنا ٹف ٹائم ہوتا ہے کہ کچھ ہوش نہیں رہتا۔"

"تو ان دونوں۔ کو بلوا لو جو تمہاری ہیلپرز ہیں۔ تمہارے ساتھ شو میں جاتی ہیں، بی ہائنڈ دی کیمرہ، کیمرے کے پیچھے۔"

"نہیں کیسے بلواؤں۔ وہ بھی تقریباً صبح سے میرے ساتھ ہوتی ہیں۔ انہیں اپنے گھر جا کر ہانڈی روٹی نہیں کرنی کیا۔" اس نے کچھ ڈپٹ کر پوچھا تھا۔

عاشر کے تو الفاظ ہی گم ہو گئے۔

"یار! ابھی تو کچھ کرو نا، سچ بہت بھوک لگ رہی ہے۔" اس نے ملتجی لہجے میں کہتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ تب ہی ایک خوشبو کا احساس ہوا۔ سانس کھینچ کر محسوس کرنے کی کوشش کی تو آمنہ نے جستجو کو جان کر اپنی دونوں ہتھیلیاں اس کے ہاتھ سے کھینچ کر چہرے کے سامنے کر دیں۔

"میں نے مہندی لگوائی ہے۔"

عاشر کو بڑی خوش گوار حیرت ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر ٹیوب لائٹس آن کر دیں۔ گورے بے داغ نازک ہاتھوں پر سرخ بیل بوٹے اور ڈھکی ہوئی پوریں کیا خوب بہار دکھا رہی تھیں۔

"سب کہنے لگے شادی کے بعد پہلا شو ہے۔ تھوڑا سا چینج تو ہونا چاہیے۔" اس نے وجہ بھی بتا دی۔

"تم نے پہنا کیا تھا؟" عاشر نے پوچھنے کے ساتھ ہی اسے بغور دیکھا۔

سیاہ ڈھیلے پاجامے پر سفید ڈھیلا کرتا۔ دھلا دھلایا چہرہ۔ کہاں وہ سولہ سنگھار کا سجا سراپا سوچتا آیا تھا۔

"ریکارڈڈ پروگرام میں دیکھ لیجیے گا نا۔" آمنہ کو ایک اور جمائی آئی۔

"مجھے بھوک لگی ہے آمنہ۔ پلیز ابھی تو کچھ کرو، بلکہ تیمور بھی آ گیا ہے اور بھوک کا وہ بھی بہت کچا ہے۔"

"تیمور نے تو وہیں آفس میں کھا لیا تھا۔ میں جو کچھ پکاتی ہوں وہاں سب ہی لوگ تو کھاتے ہیں۔ آج تو ویسے بھی نہاری تھی۔ ڈھیروں نان باہر سے منگوا لیے تھے۔"

"مجھ سے اچھا تو تیمور رہا۔" عاشر کا لہجہ حسرت زدہ ہو گیا۔ "یار! تم میرے لیے بھی لے آتیں۔"

"مائی گاڈ! شرم نہ آتی۔" آمنہ شرمندہ ہوئی سوچ کر ہی۔

"پر اب کیا کروں، بھوک لگی ہے۔"

"آپ سیب کیوں نہیں کھا لیتے، یا پھر دودھ۔"

"مجھے ڈنر کرنا ہے آمنہ۔" عاشر نے سمجھایا۔

"ہاں تو کیا ڈنر۔ رات کو ویسے ہی لائٹ کھانا کھاتے ہیں۔"

"تمہارے کھانوں کے اشتیاق میں دوپہر کو لنچ بھی

READING CORNER

گول کیا۔ ارداو کے پکوڑے بھی ٹھکرا دیے اب۔"

"پھپھو سے نہ مانگ لوں ایک پلیٹ۔ آپ کے لیے۔"

"نہ۔ نہ یہ تو نہ کریں۔ شرم نہ آئے گی۔"

"سینڈوچ بنادوں؟" آخر آمنہ کو اندازہ ہوا کہ اسے کچھ بنانا ہی پڑے گا۔

"جب بنانے ہی لگی ہو تو کوئی کام کی چیز بنادو یار۔ چکن یا قیمہ' یا چاول' چائنیز رائس بنادو۔"

"آپ کو پتا ہے چائنیز رائس کی پریپریشن میں کتنا وقت لگتا ہے۔" آمنہ کی آنکھیں پھیلیں۔

"اسکرین پر تو آدھے گھنٹے میں بن جاتے ہیں۔"

"وہ اسکرین ہوتی ہے جناب۔ جہاں سب اچھا نظر آتا ہے۔"

"صحیح کہتی ہو۔" عاشر نے تسلیم کر ہی لیا۔

"چلو چھوڑو۔ کچھ بھی بنادو۔" عاشر کمرے سے باہر نکلا اور تیمور کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ بڑے سے ڈونگے میں نوڈلز بھر کے کھا رہا تھا۔

عاشر کے چہرے کی ساری داستان کو پل بھر میں پڑھ لیا۔ پھر پیالہ نیچے رکھا۔ کچن سے ایک اتنا ہی بڑا تیار پیالہ بھائی کو بصد احترام پیش کیا۔

"میں نے بنایا تھا پہلے ہی۔ آپ کے لیے۔"

(دراصل تیمور کو تو پتا تھی نا آف اسکرین والی بات۔)

☼ ☼ ☼

اور آف اسکرین والی بات۔

ہائے۔

تیمور نے جو آمنہ کا ہونے والی بھابھی۔ سن کر سر ہاتھوں پر گرایا تھا۔ وہ بلاوجہ تھوڑی تھا۔ اپنی ذاتی زندگی میں وہ فطرتاً' عادتاً' مزاجاً' کیسی تھی۔ اس سے تیمور کو بھلا کیا غرض مگر جو ایک مجموعی تاثر کیمرہ آف ہوتے ہی اس کا پیش ہوتا تھا۔ وہ تیمور ہی کو کیا ساری ٹیم کو سر پیٹ لینے پر مجبور کردیتا تھا۔

نت نئے پکوان بنانا' تجربے کرنا اس کا شوق تھا۔ کچھ قدرتی خوبی' کچھ اس نے سیکھ کر مہارت حاصل کی اور پھر اب جب پروفیشن بن گیا تب تو سونے پہ سہاگہ والی بات ہو گئی جیسے۔

ایک سے ایک تجربہ کار معروف شیف موجود تھے۔ جن کی مہارت اور ذائقہ انمول تھا۔ ہر ایک کی اسپیشلٹی۔ مگر آمنہ امتیاز کے اپنے ہی انداز تھے شخصیت کے بھی اور پکانے کے بھی۔

مگر اس سب سے پرے۔ آمنہ کے دیگر کام بھی سب سے الگ تھے۔

چینل کی طرف سے ہر شیف کو ہر قسم کی فل ہیلپ میسر ہوتی تھی۔ بجٹ کے ساتھ ہر ریکوائرمنٹ پوری کی جاتی۔ پھر اسپانسر کی جانب سے ملنے والی فیسیلٹیز' اسی طرح کوکنگ کرتے ہوئے ہیلپرز بھی مہیا کیے جاتے۔ اکثر شیف اپنی پسند سے اپنے ذاتی ملازم ہمراہ رکھتے تھے۔

آمنہ کے پاس آفس کے ملازمین کے علاوہ اپنی دو ذاتی ملازمائیں بھی تھیں۔

شروع میں تو تیمور کے لیے ہر چیز نئی تھی۔ مگر پھر جب کچھ دن گزرے۔ تب اسے احساس ہوا کہ ان کی شیف کی ادائیاں اور ڈھنگ ماشاءاللہ سب سے جدا ہیں۔

دراصل آمنہ وہی جوان تھی جس کے بارے میں بڑے بزرگ کہہ گئے ہیں۔

"کام کرنا جوان کی موت ہے۔"

ٹی وی پر ڈیڑھ سے دو گھنٹوں میں پک جانے والے طرح طرح کے سادہ یا پھر بہت مشکل کھانے' ان کی آف اسکرین تیاریوں میں صبح سے لگنا پڑتا۔ خریدنے سے لے کر کٹنگ ٹیبل پر آنے تک۔

اور آمنہ کو صرف مطلوبہ سامان کی لسٹ دینی ہوتی۔ وہ خدا کی بندی وہ بھی خود نہ لکھ کر دیتی۔ صوفے میں دھنس کر لکھواتی جاتی۔ کتواتی جاتی پھر لکھواتی جاتی۔ پروگرام کی ہر نوک پلک کے حوالے سے بہت چی ہوتی۔ مگر کسی چیز کو ٹچ نہ کرتی۔ بس حکم صادر کرتی۔

چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑی سے بڑی کٹائی دھلائی ناپ تول سب پہلے سے کرائی ہوتی تھی۔ تاکہ پروگرام میں وقت ضائع ہونے سے بچے اور یہ ایک

اصول بھی تھا۔ ہر کوکنگ شو کی تیاری ان ہی مراحل سے گزرتی تھی۔ مگر یہاں شو کا شیف پوری انوالومنٹ رکھتا۔ ہیلپرز کی موجودگی کے باوجود خود آگے بڑھ بڑھ کر کام کرتے کہ کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ بس ایک آمنہ تھی جو تنکا بھر وزن بھی نہ اٹھا سکتی۔

بس ساری پھرتی کیمرہ آن ہوتے عود کر آتی اور کیمرہ آف ہوتے ہی ہاتھ یوں ڈھیلے کر دیتی کہ جیسے کیمرہ کا اور اس کا آن آف کا سوئچ ایک ہی ہو۔

اس بے حد لاپروایانہ روش کے باوجود شو قسمت سے ہی بخوبی چل رہا تھا اور یہ چیز آمنہ کے نخروں اور ڈھیلے پن کو مزید بڑھاوا دیتی۔

نزاکت کا عالم یہ تھا کہ حلیم بناتے وقت جب آن اسکرین ڈوئی گھمانا پڑی۔ تب کیمرہ آف ہوتے ہی کلائی پکڑ کے ہائے ہائے کرنی شروع کردی۔ ڈوئی گھمانے کا باقی کام ایک ہٹے کٹے لائٹ مین سے لیا۔

پروگرام ختم ہوا تب۔ آمنہ امتیاز آیوڈیکس کی مالش کروا کے پیا پلیٹ کے ہمراہ گھر کو نکلیں۔

ہری مرچیں تو کاٹی ہی نہ تھی کہ بعد میں ہاتھ اور انگلیاں جلتی ہیں۔ "مرچوں کی تو گلوز پہن کر۔"

اس نے ڈائریکٹر کے ٹوکنے پر کہا

"وہ نہیں۔ نہیں ویورز کو ہضم نہیں ہوگا۔ بہت آرٹی فیشل لک آئے گی' ناٹ نیچرل۔" وہ بولا۔

ہری پتوں والی سبزی نہ کاٹتی کہ ہاتھ سبز کے بعد کالے ہو جاتے ہیں۔ جبکہ دوسرے شیف کٹنگ بورڈ پر بڑی مہارت سے چوپنگ کا کام کرتے تھے اس بے حد نان پروفیشنل رویے کے باوجود وہ پروفیشنلی بہت کامیاب تھی اور اسے بلاشبہ قسمت ہی کہا جاسکتا تھا۔

وہ ببانگ دہل کہتی کوکنگ اس کا پیشن ہے' شوق ہے۔" تجربات اسے بھاتے اور مزید کی جستجو رہتی ہے۔

تب سننے والے سراہتی نگاہوں سے سر دھنتے اور ٹیم ممبر ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ جاتے کہ بولیں تو کیا بولیں۔

دوسری طرف یہی پیشن (شوق) جب اپنے گھر کے باورچی خانے میں آتا تب صورت حال الٹ ہو جاتی۔ وہ اپنے شو کے لیے تو صبح دس بجے سے گھر سے تیاری شروع کر کے اوون کے کھانوں کو بصد شوق بیک کرتی۔ (ملازماؤں سے کرواتی۔) مگر شو سے واپسی پر گدھے گھوڑے بیچ کر بے سدھ ہو جاتی۔ جب رات گئے فریش ہو کر اٹھتی تو فریج سے ٹٹول کر کچھ بھی کھا لیتی۔ یوں بھی رات دیر سے کھانا کھانا صحت کے لیے کب درست ہوتا ہے۔

اور اسے گھر میں کوکنگ کرنے کو کوئی کہتا بھی نہیں تھا۔ روٹین کے کاموں کے لیے ماسی آتی۔ روٹیاں بھی ڈال جاتی۔ سالن شاہی پھپھو بہت شوق سے بنایا کرتیں۔ بس ایک ارداو تھی جو اس سے فرمائش کر کے' ضد کر کے بلکہ دھونس جما کر نت نئے پکوان بنواتی اور کھاتی اور ایک نہ چلنے دیتی۔ یہ بھی بنادو' کبھی ٹال جاتی۔ تب ارداو فون کر کے ممی' پاپا کو شکایتیں لگاتی۔

"چھوٹی بہن کو بھوکا مارے گی' آپ کی کوکنگ ایکسپرٹ بیٹی میں نے لکھ رکھی ہے اپنی وصیت۔ وقت پر کھانا نہ ملنے کی وجہ سے میں مری ہوں۔

ارداو امتیاز۔

آمنہ امتیاز کی چھوٹی بہن۔ آگے آمنہ کا تفصیلی تعارف۔

مرنے سے پہلے نیٹ پر یہ پیغام چھوڑ جاؤں گی۔ ہاہ۔"

تب دانت کچکچاتی آمنہ کو ہر وہ شے اسے بنا کر دینی ہی ہوتی جو بھی اس نے شو میں بنائی ہوتی۔

مگر ارداو کے اس لاڈ یا دھونس سے پرے اب یہ شادی شدہ عملی زندگی تھی۔ جہاں عاشر کی بہت سی امیدیں تھیں اور کچھ دنوں کے ناز نخروں' حیلوں' بہانوں کے بعد آمنہ کو اندازہ ہو گیا کہ جان بخشی ممکن نہیں۔ اسے کچھ نہ سہی' عاشر کے کھانے پینے کی ذمہ داری لینی ہی ہوگی کہ وہ بھی اماں جان کی طرح سالن کم از کم اپنے ہاتھوں سے ضرور ہی بنائے اور یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں۔ آخر کو وہ ایک شیف ہے۔

"تو کیا آپ نے مجھ سے اس لیے شادی کی کہ میں

READINGCORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com

ایک شیٹ تھی۔" آمنہ کے دل کو دھکا لگا۔ "آپ نے مجھ سے میرے وجود سے، میری شخصیت سے، میرے۔۔۔"

"بس۔۔۔ بس۔" اس کی 'میں' 'میں' نے عاشر کو بوکھلا دیا کہ آنکھیں بھی ساتھ ہی بھر آئی تھیں۔

"ارے یار! ہم زلف گرہ گیر کے اسیر ہوئے تھے' وہ تو بعد میں پتا چلا کہ حسن کے اس فل پیکج کے ساتھ کچھ دل فریب آفرز بھی موجود ہیں۔ جیسے کہ۔" اس نے سوچنے کی اداکاری کی۔ "چلو ایک آفر شیف ہونے کی بھی ایڈ کرلو۔" ذرا بے نیازی سے کہا۔

"مگر مرد' عورت کو چولہے ہانڈی ہی کا کیوں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"تو کیا یہ چاہیں کہ گھر آئیں تو بیوی گلی کے کھمبے کی بی ایم بی ٹھیک کر رہی ہو۔ کے ایس سی کی گاڑی سے لٹکی سیڑھی پر چڑھی۔" عاشر کے جواب نے آمنہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلا دیں۔ جو جملے کے اختتام پر زور سے ہنس دیا تھا۔

"مرد ہمیشہ باتوں ہی سے چلاتے ہیں۔"

"عورت چلتی ہی باتوں سے ہے۔" عاشر نے محبت سے کہا۔ "میری جان! ایک فقط رات کے کھانے کا سوال ہے تمہارے ہاتھوں بنے لاجواب ذائقے دار سالن اور تازہ پھلکے۔ غریب اس سے زیادہ چاہتا ہی کیا ہے۔"

"یہ غریب ہے۔" آمنہ نے تیار شیار ڈھنگ سے عاشر کو سراہتی نگاہوں سے دیکھا۔

"صرف غریب کیوں۔ بھوکا بھی ہے۔" اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"مگر مجھے پھلکے بنانے نہیں آتے۔" آمنہ نے ایک بڑا مسئلہ بتایا۔

"کیا۔!" عاشر کی چیخ نکل گئی۔ "یار! پھلکے تو تیرہ' چودہ برس کی بچیاں بھی اتار لیتی ہیں۔"

"بس میری یہی ایک کمزوری ہے۔ آتے ہی نہیں لاکھ کوشش کروں۔" آمنہ نے صاف انکار کیا۔

اور آنے والے دنوں میں عاشر پر ایک اور نیا تجربے حد عجیب انکشاف ہوا۔

آمنہ چولہے کی اونچی لپٹوں پر فرائی پین کو اچھال اچھال کر پھلیاں فرائی کر سکتی تھی۔ کڑاہی کے اندر آگ لگا کر تھائی اسٹائل میں کھانا سرو کر سکتی تھی۔

بہترین پزا اور بیکری آئٹم بنا سکتی تھی۔

اعلا ترین انٹرنیشنل ڈیزرٹ۔

مگر۔ مگر۔

ایک خالص گھریلو ذائقہ کا آلو گوشت اس سے بنتا ہی نہ تھا۔

براؤن پکوڑے تو بنالیے مگر پالک پیاز کے وہ سادہ پکوڑے جو عورتیں جھٹ پٹ تیار کر لیتی ہیں۔ جن سے وہ ذائقہ نکل ہی نہ پاتا۔

دنیا کے ہر طرح کے سیلڈ بنانے میں وہ ماہر تھی مگر سادہ ٹماٹر' پیاز' ہری مرچ کا کچومر سلاد نہ بنا پاتی کہ جس ہی سے دل کو کچھ ہوتا ہے۔

"چھوڑو۔۔۔ اوں ہوں۔"

اس سے بگھار والی مونگ کی کھچڑی بھی نہ بنتی۔

عاشر کے پسندیدہ گڑ کے چاول بھی نہ بنا سکی۔

ہاں مشکل ناموں والی بھاری بجٹ کی ہوشربا مرضی بنوالو۔ اس کے ذائقے اور مہارت میں کوئی شک نہیں۔

مگر خدا کے بندو۔ روز۔ روز یعنی کہ دن میں تین بار تو انسان فل پروفیشنل شیف کے مشکل ناموں والے بیوی کھانے تو نہیں کھا سکتا نا۔ آخر اسے زندہ رہنے کے لیے دال چاول بھی تو کھانے ہوتے ہیں نا! ہیں کہ نہیں۔

اور پھلکے بھی۔

ہائے ہائے۔ اسے کہتے ہیں حسرت ان غنچوں پہ۔ یا چراغ تلے اندھیرا۔ جیسے کہ ایک دن۔

عاشر نے شدید گرمی سے آکر سکنجبین کی فرمائش کردی۔ کوئی زمانے گزرنے کے بعد آمنہ برآمد ہوئی۔ بہت خوب صورت چوکور پلیٹ میں وائن گلاس رکھا تھا۔ جس میں یقیناً "سکنجبین" تھی۔ گلاس کے سرے پر لیموں کی باریک گول قاش اٹکا دی تھی۔ ایک

چھوٹی سی چھتری بھی ساتھ کھڑی تھی۔

ذائقہ بھی بہت اچھا تھا۔ پیاس سے اتاؤلے ہوتے عاشر نے لیموں کی قاش اور چھتری کو تیزی سے اتار کر پلیٹ میں رکھا اور ایک ہی سانس میں گلاس حلق سے اتار کر مزید کے لیے ہاتھ آگے کیا۔

"کیا۔؟" آمنہ نہ سمجھی۔

"سکنجبین اور۔"

"مگر وہ تو ایک ہی گلاس بنائی تھی۔" آمنہ نے معصومیت سے شوہر کو دیکھا۔

جگ کو منہ لگا کر ایک ہی سانس میں ڈکار جانے والے عاشر کو جھٹکا لگا۔ حلق کے بل چیخا۔

"کیا۔ آآآ۔" گونج نے آمنہ کے دل کو ہلا دیا۔

اچھا خاصا شوہر بھی کبھار وہ لگنے لگتا ہے۔ وہی نا۔ وہ جو کہتے ہیں۔ وہی۔ ڈھگا۔ ہاں ڈنگر ہی تو کہتے ہیں۔

آمنہ نے دونوں ہاتھوں کو سر پر گرائے عاشر کو دیکھتے ہوئے دانتوں سے موزوں خطاب سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

بیا بڑے دنوں بعد آئی تھی۔ آج بڑے دنوں بعد شاہی پھوپھو کے گھر سے اونچا جاتی میوزک ابھر رہا تھا۔ اتنے عرصے بعد مل بیٹھنے کے لیے یہ تینوں بھی کافی عرصے سے منتظر تھے کہ رت جگا کریں گے۔ بھلے سے اپنے گھر کے لان میں بیٹھتے یا شاہی پھوپھو کے۔ مگر اس وقت عاشر اور ابوذر حیران رہ گئے۔ بیا نے گرلز نائٹ میں ان کا داخلہ ممنوع کیا اور آمنہ محفل سجانے کے بجائے اپنا شکریہ ادا کر دروازہ بند کر گئی۔ یہ ارے ارے کرتے رہ گئے۔

"بیچلر لائف کی یادیں انجوائے کریں۔" اس نے انگوٹھا دکھاتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔

"آپ بھی کریں انجوائے۔ اچھی یادیں۔"

"ہونہہ۔ وہ کون سی سہانی یادیں تھیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک مشکل۔"

"یار! تیری بیوی میری بیوی کو بھی ورغلا کرلے گئی۔" عاشر ابوذر پر چڑھ دوڑا۔

"تو یہ بھی ناشکری کی ایک صورت ہے۔ میں تو کہتا ہوں میری والی کو کوئی ایسا ورغلائے کہ واپسی کا خیال ہی بھول جائے۔ یہ آزادی تو بس رات بھر کی ہے۔"

"اتنی جلدی۔" تیمور اچھل پڑا۔ "ایسے جملے گیارہ بچوں اور بائیس سالوں کے بعد کہے جاتے ہیں اور تو ابھی سے۔"

"اور یہ بھوکوں کی طرح ہمارا فریج کیا ٹٹول رہا ہے۔" تیمور نے اسے مسلسل فریج کے اندر سر دیے ہوئے دیکھ کر اچنبھے سے سوال بدل دیا۔ "اب تو تو شادی شدہ گھر بار والا ہے۔"

"ابے شادی کا نام نہ لے۔" ابوذر دھاڑ سے دروازہ بند کرکے پلٹا جیسے کہ تڑپا۔ "شادی نے تو بھوکوں مار دیا یار!"

"تجھے بھی؟" عاشر نے اچھل کر بے ساختہ پوچھا۔

"کیا مطلب تجھے بھی ہم لوگ تو خوش قسمت ہو' آمنہ بھابھی جیسی خاتون۔"

عاشر اور تیمور ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

ہماری خوش قسمتی بتانے کا پیرا میٹر ہمیشہ دوسروں ہی کے ہاتھوں کیوں ہوتا ہے۔ جس سے ہمیں پتا چلتا رہتا ہے وقتاً "فوقتاً" کہ ہم خوش قسمت ہیں۔ خود سے بد قسمتی کا بتائیں تو لوگ یقین نہیں کرتے۔ ناشکرے ہونے کا خطاب دے دیتے ہیں۔ ارے کوئی حویلی کے اندر جھانکے اور وہاں سے اٹھتی درد کی پکاروں کو سنے۔ عاشر اور تیمور کی سوچ یکساں تھی۔ ہاتھ دل پہ دھرے تھے۔

"ویسے واقعی شادی کے چند مہینے اور یہ انداز۔ ہوا کیا ہے؟" عاشر نے پوچھا۔ "تم تو ایسے ایکسائٹڈ تھے کہ جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی۔"

"یار! لوگ سچ کہتے ہیں شادی سے پہلے کچھ ملاقاتیں اور باتیں مزاج آشنائی کے لیے ہو ہی جانی چاہئیں۔" ابوذر کسٹرڈ کا پورا ڈونگا لے کر بیٹھ گیا اور یہ بھلا سا ہاتھ منہ کھول کر ڈونگے ہی کے چمچے سے یوں کھانے لگا جیسے … کر رہا ہو۔

(سارا ہی کھا جائے گا سالا۔) عاشر نے سوچا۔ دکھی

داستان سننے کی قیمت ایک ڈونگا۔)

☆ ☆ ☆

سب سے پہلا تو اسے بیا کا وہ سہما سہما، ہراساں انداز ہی بھا گیا۔ وہ جس طرح اپنے کسی دشمن کو پلٹ پلٹ کر دیکھتی تھی اور ملتجی نگاہوں سے اس سے مدد کی طالب تھی۔ یہ احساس برتری مردانگی کو جلا دینے والا تھا۔ پھر جب ذرا سا وہ اپنے خوف سے ابھری اور پرسکون ہو کر بیٹھی۔ تب ابوذر پر اس کے سونے چہرے کی خوب صورتی پوری طرح واضح ہوئی۔ ایک دوسرے میں پیوست اس کی انگلیاں گداز اور دلنشین تھیں۔

بے داغ ملائم گداز۔ مکھن سے بنی یا موم سے یا پھر۔

مکھن یا موم۔

کوئی ہفتہ دس دن ہاتھوں نے بے چین رکھا۔ پھر اس کے بعد چہرہ اور پھر وہی ہراساں آنکھیں۔ لو جی۔ ابوذر صاحب کی ہمت جواب دے گئی۔

اپنی اماں کو فون کھڑکایا۔ بات آگے بڑھی تو اماں نے واحد اعتراض لڑکی کے بھاری ہونے کا کیا۔ تب ابوذر نے بھاری پن کو بھی ایک پلس پوائنٹ کہہ دیا۔ اماں کو کیا اعتراض۔

دراصل ابوذر سے اندازے اور قیافے کی بڑی غلطی ہوئی۔

کچھ دوستوں کے تجربات، کچھ آنکھوں دیکھی کے باعث اور گردوپیش کی سنی سنائی باتوں کے زیر اثر بھاری بیوی سراسر فائدے کا سودا تھی۔ لیکن۔

دبلی پتلی چھریری نظر آنے والی بیوی ساری زندگی ڈائٹ کانشس رہتی ہے۔ سوچ سمجھ کر کھاتی ہے اور کھلاتی ہے۔ (ایک دوست کا قطعی فیصلہ)

وہ شوہر بھی اپنے ہی جیسے وزن اور جسم کا چاہتی ہے اور ذرا سی بھی چربی چڑھ جائے تو برداشت نہیں کرتی۔ اتروانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگوا دیتی ہے۔ کھانا بند کر دیتی ہے اور بعض تو ناکامی کی صورت میں چھری پکڑ کر خود ہی اس بڑھے گوشت کو اتارنے کی خواہش کا اظہار کرتی ہیں۔

چونکہ اسمارٹ ہوتی ہیں، سلم ہوتی ہیں تو ہر نئے آنے والے نئے فیشن کو با آسانی اپنا لیتی ہیں اور اس مقصد کے لیے میاں کی جیب کا کباڑہ کرنے کے لیے کسی بھی بوتیک میں گھس جاتی ہیں۔

اچھے فگر اور لباس کے بعد ریگولر بیوٹی ٹریٹمنٹ کے لیے پارلر کا خرچا گھر کا بجٹ بناتے ہوئے سب سے اوپر رکھتی ہیں۔

اگر کبھی بھی ذرا سا بھی ویٹ بڑھنے کا شک ہو جائے تو فوراً "سلمنگ سینٹر" جوائن کر لیتی ہیں، یا پھر واک صبح بھی اور رات کو بھی۔ اور بھلے سے سارا دن … کرتی رہیں مگر شوہر کو ساتھ کیوں گھسیٹتی ہیں۔

اور سب سے بڑھ کر ڈائٹ کانشس خواتین کا … بھی عجیب و غریب ہوتا ہے۔ جہاں گھی نہیں … چاول نہیں ہوتے، "گو نہیں آتے" تلی ہوئی چیزیں … کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ … نہ نو من تیل ہو گا نہ رادھا ناچے گی، جبکہ رادھا ناچتی … پیاری لگتی ہے۔)

اب بندہ سوچے کہ تمام خوب چیزوں سے … والے آئٹمز جب کچن میں نہیں بنائے جائیں گے۔ چلو کچن کا بجٹ کنٹرول رہے گا تو یہ … فہمی کب۔

چاول آئیں گے تو براؤن چاول۔ عام رائس سے مہنگے، بریڈ آئے گی تو براؤن بریڈ۔ آئل سب مہنگا جو وزن کو کم کرے۔

اور مہنگے سے مہنگے ڈائٹ پلان، جو جیب کو اتنا … کر دیں گے کہ سانس رک جائے۔

لہٰذا ان تمام موٹی موٹی وجوہات کو دیکھتے ہوئے ابوذر کو ایک بہترین پیکج لگی۔ وہ ان تمام جھنجھٹوں سے دور ہو گی جو ایک اسمارٹ عورت کی زندگی کو مشکل … ہیں۔ (اور اس عورت کے شوہر کی زندگی کو … ترین)

ابوذر کو پہلے بیا کا چہرہ پیارا لگا۔ پھر ہاتھ اور پھر پورے سراپے کو دیکھا تو جیسے ٹوٹ کر پیار آگیا۔

موٹی لڑکیاں کھانے پینے کی بے پناہ شائق ہوتی ہیں۔ ہاتھ روک ہی نہیں پاتیں۔ ہر شے کھا جاتی ہیں۔ (اسی لیے تو موٹی ہوتی ہیں)

ابوذر نے سوچا، وہ خود جی بھر کے کھائے گی تو اسے بھی تو کھلائے گی نا۔ یعنی خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے … بیا خور…)

لیکن۔

بیا موٹی تو تھی۔ مگر وہ کھانے پینے کے معاملے میں کتنی محتاط تھی، یہ اب بتانے کی بات تو تھی نہیں۔ رونے سے کیا فائدہ۔

ابوذر حق دق رہ گیا۔ اول تو وہ کچھ کھاتی ہی نہیں تھی اور اگر کھاتی بھی تو۔ کھیرے، ککڑیاں (ککڑیاں) گھاس پھونس۔ ابلی ہوئی بے رنگ بے ذائقہ سبزیاں۔

ایک مخصوص ڈائٹ پلان پر چلتی ایک انچ نہ سرکتی اور سب سے تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ اسے بھی چلاتی کہ ان کے خیال میں اسے بھی وزن کم کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف وہ دن سکون کا ہوتا جس دن چکن روسٹ کھانے کی اجازت ملتی یا پورا دن شامی کباب یا گرلڈ چکن پیس۔ لیکن اس شان دار دن کے بعد سلاد … آتا جس میں سارا دن جگالی کرتا رہتا۔

… بھی تو وہی تھا جو شادی کے بعد پہلی گروسری کے دوران خرید آگیا۔ دوبارہ خریدنے کا موقع ہی نہ بنا کہ … ختم ہوتا تو اگلا لیتے نا۔ رس ملائیاں۔ گلاب جامن۔ شیرے میں لتھڑے رس گلے کھانے کا شائق ابوذر … کیا کھاتا۔ سیب اور … الف۔

چائے میں وائٹ شوگر کے بجائے براؤن شوگر۔

مٹھائی کی ٹرے کھا جانے والے ابوذر کو ابلے ہوئے چاول کا ایک پیالہ ملتا۔

"اللہ جانے آپ نے باڈی بلڈنگ کر کیسے لی۔ کس طرح سے کھاتے ہیں آپ؟" بیا کان پکڑتی۔

"… وہ زمانہ تھا اور اب یہ زمانہ ہے۔ تب بھی نہ کھایا اب بھی نہ کھاؤں۔"

"مجھے تو نہیں لگتا کہ تب بھی نہ کھایا ہو گا۔"

"تو کیا یہ جسم ایسے ہی بن گیا۔" ابوذر نے بازو اٹھا کر مسلز بنا کر دکھائے۔

"پتا نہیں کیسے بن گیا۔ بہرحال میرے گھر میں تو یہی سب بنے گا۔"

"میرا بھی تو ہے۔" ابوذر نے دہائی دی۔ "گھر۔"

"ہاں تو میں کب انکار کر رہی ہوں۔ گھر کو گھر ہی رہنے دیں، برنس روڈ یا ناظم آباد کی فوڈ اسٹریٹ نہ بنائیں۔"

"اور کچن کی اس بدحالی سے برے۔"

اپنے بھلے فگر کو قطعاً" ابوذر گھر کے بیا کو کلفٹن اور طارق روڈ کی ہر بوتیک میں جانا ہوتا۔ اسے جو لباس پسند آگیا۔ وہ کتنے کا بھی ہو اور بھلے اس پر اچھا لگے یا نہ لگے اسے لینا ہی ہے۔

"اچھا پہننا تو میرے بچپن کا شوق ہے اور اس پر کوئی کمپرومائز نہیں۔ اسی لیے تو میں وزن کم کرنا چاہتی ہوں۔ دوبارہ شیپ میں واپس جانا چاہتی ہوں۔"

"ہائے کیا دن تھے وہ بھی۔ جب ہم آنٹو کے کپڑے چرا چرا کر پہنتے تھے۔ حق ہا!" سنہری یادوں نے چہرے کو جگمگا دیا۔ جبکہ ابوذر کے حلق میں سانس اٹک گئی۔

"چوری۔ یعنی کہ چور۔ نہیں چورنی۔" (ابوذر کی بڑی چوری)

"ہاں نا۔ یاد نہیں وہ دن جب میں نے آپ سے بنا مانگی تھی۔"

"بھولا ہی کب۔" ابوذر تفصیلات سن سن کر غش کھا رہا تھا۔

اور ابوذر کی امیدوں کے محل پر آخری ضرب۔ بیوٹی سیلون کا خرچا تھا۔

بیا ہر مہینے پارلر کا وزٹ کرتی اور … کلینزنگ، ویکسنگ، تھریڈنگ، پیڈی کیور، مینی کیور اور فروزن فارم والے سارے آئی این تی کروا کر جیبیں جھاڑ کر آجاتی۔

"یار تیری داستان تو ہم سے بھی زیادہ دکھی ہے۔"

عاشر اور تیمور دل و جان سے قائل ہو گئے۔
"آج ڈنر کیا گیا تھا؟"
"یخنی میں ابلے بھنے تیر رہے تھے۔ کہیں کہیں بھولی بھٹکی بوٹی کا ریشہ۔"
"اسے چکن کارن سوپ کہتے ہیں۔" تیمور نے تصحیح کی۔
"بکسیں۔" ابوذر کا سر زور زور سے نفی میں ہلا۔ "جب یہ بنائے گی تو وہ قسم سے وہی لگتا ہے۔ وہی جسے یار لوگ مرغی کا غسل میت کہتے ہیں۔"
کہنے کے ساتھ ابوذر نے بڑا سا سرونگ ہی منہ میں ڈال لیا۔ تاکہ دیواروں پر لگے منظر کو چاٹ سکے۔ جبکہ غسل میت کی اصطلاح پر عاشر اور تیمور کے قہقہے باہر کو ابل پڑے تھے۔

☼ ☼ ☼

ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے سرسری ملاقاتیں تو ہوتی ہی رہتی تھیں۔ مگر اس طرح فرصت سے رات گئے تک شاہی پھپھو اور اِرادہ کے ساتھ رت جگا کرنے کا مزہ ہی جدا تھا اور آج کی اس بیٹھک کا کارن۔ پھپھو اور اِرادہ کا دبئی جانا تھا۔ اِرادہ پیپرز کے بعد فارغ تھی۔ کچھ اسے ممی پاپا کی یاد بھی بہت شدت سے آرہی تھی۔
اور سب سے بڑھ کر آنہ اور ریا کی ہنستی مسکراتی کامیاب زندگی سے بھی جل جل کر کباب ہو رہی تھی۔ اور اس نے اپنی ساری کیفیت ان دونوں کو تفصیل سے جتائی کہ کیسے اسے دونوں سے حسد محسوس ہوتا ہے۔
اور لفظ حسد سن کر تینوں ہکا بکا رہ گئیں۔ مگر جب کارن سنا تو ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئیں۔
"ہاں تو آنٹی دست شناس نے آپ دونوں کے بارے میں جو پیشن گوئیاں کیں وہ درست ثابت ہوئیں اور جو کچھ میرے لیے کہا وہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔"
"تمہارے لیے کیا کہا تھا؟" آنہ کے ذہن سے نکل چکا تھا۔
"وہی۔" اِرادہ نے ہچکی بھری۔ "میں اور شاہد آفریدی۔" اس کے تو حلق میں جیسے آنسو رک گئے۔
"میں تو اس علم پر یقین ہی نہیں کرتی۔ جو ہونا ہے اللہ کی طرف سے۔" آنہ نے کہا۔
"لیکن میں تو بھی مانتی ہوں مجھے تو ملا نا خوابوں کا شہزادہ۔" ریا بھی چہکی تھی۔
"خوابوں کا شہزادہ تو مل ہی جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے جو ملتا ہے اچھی پہچان اسے ہی شہزادہ مان لینا چاہیے۔" شاہی پھپھو نے اپنی عمر رسیدہ تجربے کے حساب سے سوچ سمجھ کر کہنے والی بات کی۔ آنہ اور ریا قائل ہو کر سر دھننے لگیں۔

☼ ☼ ☼

دبئی جیسے شہر میں پیدا ہونے اور پھر پلنے بڑھنے کے باوجود ایسا موقع پہلی بار بنا تھا کہ اِرادہ کسی کرکٹ میچ کو دیکھنے کے لیے گراؤنڈ میں آن بیٹھی تھی۔ یہ انڈیا پاکستان کا میچ تھا اور گراؤنڈ میں سنسنی کا جو عالم تھا اسے تحریر میں لانا "تقریباً" ناممکن۔ سانسیں تک رکی ہوئی تھیں جیسے۔
اِرادہ کی ایکسائٹمنٹ کا کیا کہنا۔ گراؤنڈ میں بیٹھ کر میچ دیکھنے کا پہلا موقع۔ اور میچ بھی وہ جس میں شاہد آفریدی موجود تھا۔ مگر ہائے ری قسمت! اس سیریز میں آفریدی نہیں چلا تھا۔ اس کے بعد میچ انڈیا نے جیتے تھے اور دو پاکستان نے۔
آج کے میچ کی گرمی ہر سو چھائی ہوئی تھی۔ دونوں جانب ٹیموں میں خوب تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ دونوں جانب ایک سوچ یکساں تھی۔ اگر آفریدی چل گیا۔
انڈیا کا دھڑکا۔ بھگوان نہ کرے۔
"اللہ کرے بس ایک بار آفریدی جم جائے تو بس نے خیراں۔" پاکستانیوں کی امید انڈیا نے پہلے بیٹنگ کی اور بولرز فیلڈرز کی مٹی پلید کرتے ہوئے رن ریٹ پونے تین سو سے اوپر لے گئے۔
آفریدی نے دو وکٹیں لے کر داد سمیٹی تو دو کیچ

کر لیے۔ لعنتیں بھی سنی تھیں۔ انڈیا کے صرف تین کھلاڑی آؤٹ ہوئے تھے۔ میچ آخری اوور میں پہنچا تو بیٹسمین نے بلے کو کھلی چھوٹ دے دی۔ میدان کے چاروں جانب خوب صورت جارحانہ اسٹروکس۔ فیلڈرز دیکھتے رہ جاتے اور گیند کہاں سے کہاں۔ آفریدی بولنگ کے لیے آیا۔ تو عوام متزلزل تھی۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔
لیکن آفریدی کو دیکھ کر جنونی ہو جانا جیسے فطری تقاضا ہو جاتا تھا۔ سو گراؤنڈ میں بوم بوم کا شور مچنے لگا۔ پاکستانی شائقین انگوٹھوں کو فاتحانہ اٹھانے لگے۔ جبکہ انڈین شائقین انگوٹھوں کو نا صرف نیچے کی جانب دکھا رہے تھے بلکہ منہ بھی چڑاتے تھے۔
اِرادہ اور شاہی پھپھو پاکستانی ٹیم کے جیسے یونیفارم میں ملبوس تھیں۔ اِرادہ نے اپنے لمبے سیدھے بالوں کی سیدھی مانگ نکالی تھی۔ کم حصے پر سفید رنگ پھیر رکھا تھا اور زیادہ بالوں کی لمبائی کے برابر سبز چاند ستارے والی بنی خوب ساری ٹھوک رکھی تھی۔ شاہی پھپھو نے گھنگھریالے بالوں کا بہت بڑا سنہری گچھا سر پر جما رکھا تھا۔ جو ان کے اپنے جسم سے ... انہوں نے بھی سفید و سبز رنگ پھیر رکھا تھا۔ اِرادہ کے انہیں سرخ رنگ کی گلیٹر والی اتنی لمبی پلکیں لگی تھیں جو نگاہیں اٹھانے پر بھنوؤں سے بھی اوپر چلی جاتی تھیں۔
اِرادہ نے بڑا خوب صورت چوڑا موٹا لمبا آئی لائنر لگا کر آنکھیں سجا رکھی تھیں۔ سرخ چمکتی لپ اسٹک نے اس کے چہرے کو خوب صورت بنانے اور واضح کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔
آفریدی کے لیے ڈھیروں بینرز اور پلے کارڈ بھی پکڑ رکھے تھے۔
کیمرہ مین جب اچھی خاصی عمر والی کی حد تک نظر آتی خاتون (شاہی پھپھو) کو بار بار فوکس کر رہا تھا جو حلیے میں سب سے جدا نظر آتی تھیں۔ تب ساتھ بیٹھی بے حد حسین چہرے والی کم عمری اِرادہ بھلا کیسے نظر انداز کر دی جاتی۔ ایک کیمرہ مین کو تو اس کے علاوہ اور کچھ دکھائی ہی نہ دے رہا تھا۔ جو آفریدی کی پہلی گیند پر ہی وکٹ لے لینے پر اچھل اچھل کر بے حال ہو گئی تھی اور اب دونوں ہاتھوں سے اس کو کٹری کا نشان دکھا رہی تھی۔
اگلی گیند خالی گئی اور اس سے اگلی پر ایک اور وکٹ۔
تماشائی پاگل ہو گئے۔ بوم بوم کے نعروں سے آسمان گونج اٹھا۔
پوری دنیا کی ٹی وی اسکرین پر اچھلتی اِرادہ دکھائی دینے لگی۔ وہ تو شاید ہوش و حواس سے جا رہی تھی۔
اگلی گیند جارحانہ تھی اور بیٹسمین کچھ نروس بھی۔ اس نے مر جانے یا مار دینے والی پالیسی اپناتے ہوئے بلا ہوا میں اٹھا دیا تھا۔ گیند اتنی اوپر گئی کہ جیسے نظر آنا بھی بند ہو گئی۔
دونوں جانب کے شائقین کی توقعات بہت زیادہ تھیں۔
ایک جانب سے فیلڈر بھاگا اور دوسری طرف سے آفریدی خود۔ آسان کیچ تھا۔ مگر یہ کیا دونوں کھلاڑی آپس میں ٹکرا گئے۔
گیند باؤنڈری لائن کراس کر گئی۔ انڈین کراؤڈ کے شور نے گویا اسٹیڈیم کی چھتوں میں شگاف ڈال دیا۔ مگر ساتھ ہی اگلے پل ایک سناٹا ہر سو چھا گیا۔
آفریدی چت میدان میں پڑا تھا بالکل ساکت۔
اور ایک ڈاکٹر بھاگا آ رہا تھا۔
نجانے کہاں کیا لگ گیا تھا جو وہ ایسے ایک دم ڈھیلا ہو کر پڑا ______ یا چلو وہ سر کے بل گرا تھا تو کیا سر میں چوٹ لگ گئی؟ مگر کیسی چوٹ کیا بہت خطرناک؟
پورے کراؤڈ کو سانپ سونگھ گیا۔
تب کیمرہ مین نے ایک بار پھر اِرادہ کو فوکس کیا۔ وہ اچھل اچھل کر چیخ چیخ کر اپنے صدمے کا اظہار کر رہی تھی۔ نفی میں گردن ہلا رہی تھی۔ دونوں ہاتھ سر پہ مار رہی تھی۔
پھر دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں ہونٹوں پر رکھے

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com

ساکت ہوگئی۔ پھر جب آفریدی کو سہارا دے کر کھڑا کروایا گیا۔ تب وہ زیر لب کچھ پڑھ پڑھ کر پھونکنے لگی۔
آفریدی نے قدم بڑھائے تو اس نے ہاتھ دل پر دھر لیے۔ آنکھیں میچ لیں۔ آنسو جھر جھر گالوں پر بہہ رہے تھے اور بھیگے ہونٹ مسلسل حالت دعا میں تھے۔
شدت گریہ جب آنکھوں کے آگے دھند کی چادر تان دیتی تب وہ ہاتھ کی پشت سے آنکھ رگڑ لیتی۔ ایسے میں لرزتے ہونٹ اس کے دلی جذبات کے ترجمان ہوتے۔
ساری دنیا کے ناظرین آفریدی کی چوٹ کو بھول کر میچ کی گمبھیرتا کو فراموش کر کے آنسو بہاتی غم سے نڈھال۔ چمکیلی بھوری ایراد کو دیکھ رہے تھے۔

✿ ✿ ✿

پاکستان کی بیٹنگ آئی تو بیٹسمینوں نے "تو چل میں آیا" کی پالیسی اپنائی۔ آتے دکھائی دیتے لیکن رکتے نہیں تھے۔ یعنی ہار یقینی۔ اور وہ جس پر امیدیں لگائی تھیں وہ تو پہلے ہی چکرا کر گر گیا تھا۔ یعنی
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے
میچ کا نتیجہ واضح ہی تھا۔ سو پاکستانی شائقین ٹھنڈے بیٹھے تھے۔ مایوس دل گرفتہ اور انڈین شائقین پرسکون، بے فکر گاتے بجاتے۔
آفریدی آیا تو پاکستانیوں کی یخ بستہ سانسوں نے سارے اسٹیڈیم میں گرمی دوڑا دی۔ دوسری جانب انڈین تماشائیوں کے تضحیک آمیز انداز اور جملے نعرے اور سیٹیاں۔
کچھ پاکستانی بھی دل جلے تبصروں پر اُتر آئے۔
"آئے ہو ابھی بیٹھو تو سہی۔ جانے کی باتیں جانے دو۔" تانیں اڑنے لگیں۔
"چلی گئی جان میری ڈھکتا میں رہ گیا۔" کسی انڈین نے گایا۔
ایراد امتیاز ایک بار پھر ساری دنیا کی اسکرینز پر جلوہ گر ہوگئی۔ آنکھوں سے لائنر اتر گیا تھا اور اس نے شاید منہ بھی دھو لیا تھا۔ دھلا دھلایا نکھرا چہرہ پپوٹوں والی آنکھیں۔
وہ زیر لب کچھ پڑھ رہی تھی۔ پھر آنکھیں موند کر جیسے آفریدی پر حصار سا باندھ دیا۔
ہیلمٹ کو بار بار درست کرتا۔ ناک چڑھاتا، پلکیں جھپکتا۔ خود کو وارم اپ کرتا آفریدی اٹھک بیٹھک کر رہا تھا۔
بہت بے فکر دکھائی دیتے بھارتیوں کے لیے بہرحال آفریدی کا پچ پر ہونا ایک خطرہ تھا۔ وہیں ایک بھرپور امید پاکستانیوں کے لیے بھی تھی۔
اگر آفریدی ٹک گیا تو۔
سب کے ہاتھ اٹھے ہوئے تھے۔ مگر ایراد کا پن، بے ساختہ پن۔ چہرے پر پھیلی حسرت پریشانی سب سے جدا اور فطری نظر آئی تھی۔ اس کی جیسے جان پر بنی ہوئی تھی۔
پہلی گیند پر رن لیا گیا۔ دوسری خالی گئی۔ تیسری پر رن اور آفریدی کریز پر۔
بلا اٹھاتا سب نے دیکھا مگر گیند کہاں گئی پتا نہیں چلا۔ یہ ہوا پہلا چھکا۔ پھر دوسرا بھی چھکا اور تیسرا چھکا اگلی گیند پر رن۔
جیت کے لیے رنز کا ڈھیر تھا اور گیندیں کم کی۔
ہاں اگر اسی طرح سے چھکے لگائے جاتے تو۔ اس کے لیے آفریدی کا ٹکنا ضروری تھا۔ جو کسی خاص موڈ میں ہی دکھائی دے رہا تھا۔
آفریدی کو ٹکانے کی دعا ایک ضروری کام تھا۔ سو ساری قوم جت گئی۔ مگر سب کو دکھائی صرف ایراد دے رہی تھی۔
کیمرا مین اور کنٹرولر کے درمیان جیسے کچھ طے پا گیا۔ وہ "ہم گرل" کہتا اور اسکرین پر ایراد کا چہرہ جگمگا اٹھتا۔ جس کے دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں اٹھے تھے ہلتے لب اور ہر شارٹ پر وہ خوف کے عالم میں آنکھیں بند کر لیتی۔ پھر چھکے یا چوکے کے نعروں پر ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولتی اور اچھلنا شروع کر دیتی۔

مسلسل پاکستان کے حق میں جا رہا تھا۔ اس بیٹسمین بھی آؤٹ ہوئے۔ مگر آفریدی ہنوز
یہاں تک کہ بات تین گیندوں اور نو رنز پر آ کر رکی۔ میچ پر ہو کا عالم تھا۔ تخت یا تختہ۔
بارنے فیلڈرز کی گھات لگائے چیتوں کی طرح تقسیم کر دیں۔ وہ کامیاب رہا۔ دوسرا بیٹسمین چھکے کے چکر میں آؤٹ ہو گیا۔ اب دو گیند پر نو رن رہ گئے۔
آنے والے بیٹسمین نے گیند کو دھیرے سے پیچھے کی جانب دھکیلا۔ سیدھا چوکا تھا۔ خود وہ رن کے لیے بھاگا۔
اب گیند کا سامنا آفریدی نے کرنا تھا اور اس نے چھکا مار دیا تھا۔
یعنی کہ آفریدی چل گیا تھا۔
یعنی کہ پاکستان جیت گیا تھا۔
یعنی کہ ایراد کی دعائیں، وظیفے رنگ لے آئے تھے۔
تماشائیوں کے ہلے کو دکھایا جا رہا تھا۔ ایراد نے وہ شرٹ پہن لی تھی جس پر آفریدی کی شکل بنی ہوئی تھی۔
وہ دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے رکوع کی سی حالت میں بھی پورا منہ کھولے آنکھیں میچ کر مسلسل چیخیں مار رہی تھی۔ پھر وہ سیدھی ہوئی اور اپنی اچھلتی پھوپھو کے گلے لگ گئی۔ اب دونوں پھوپھی بھتیجی اچھل رہی تھیں۔
گراؤنڈ میں کھلاڑی بھاگ رہے تھے۔ کیمرے تھکا تھک چل رہے تھے۔
ہر چینل پر شور مچا تھا۔ نعرے، ملی نغمے۔ کھلاڑیوں کے مختلف شاٹس، خوب صورت کیچز، چھکے اور چوکے۔
روڈ پر بپا جشن۔ بگ اسکرینز پر دیکھتے لوگوں میں مٹھائی کی تقسیم۔ منچلوں نے جھنڈے اٹھا کر روڈ پر ون ویلنگ بھی شروع کر دی تھی۔ جوش و خروش سے جیت کی اطلاع دیتے تیز اینکرز۔
اور اس کے ساتھ آفریدی کی ہر شارٹ پر ایراد کی بدلتی حالت کی تصویریں۔ اس کی چیخیں، آنسو اور دعائیں۔
کپتان نے جیت کو عید کا تحفہ قرار دیا۔

✿ ✿ ✿

دوسرے دن کے تمام ملکی و غیر ملکی اخبارات و میگزین کے کور پر آفریدی کی بڑی بڑی تصاویر شائع کی گئیں اور ایک بھی صفحہ ایسا نہ تھا جہاں آفریدی کی بڑی سی تصویر کے ساتھ۔۔۔ ایراد کی تصویر شائع نہ کی گئی ہو۔
دوران میچ اس کے مختلف پوزز کو چنا گیا تھا۔ آنسو بہاتی، دعا مانگتی، آنکھیں موندے ہوئے زیر لب کچھ پڑھتی۔
بعض نے آفریدی کے فل پوسٹر کے اوپر ایراد کی چھوٹی تصویر لگائی تھی۔ چند ایک نے برابر سائز کی لگا دی۔
"مجھے یقین ہے وہ جب ان تصاویر کو دیکھے گا۔ میچ کی ریکارڈنگ دیکھے گا تب اسے اندازہ ہوگا وہ میرے لیے کیا ہے؟ کتنی امپورٹنس رکھتا ہے۔"
ایراد نے اس روز کا ہر ہر اخبار خرید لیا تھا۔
"تمہیں شرم نہ آئی ایسی حرکتیں کرتے ہوئے۔" بیا فون پر چیخ رہی تھی۔
"تو شرم کیسی؟ اپنے ملک کی جیت کے لیے کیا میں دعا نہ مانگتی۔"
"سب کہتا ہے ہمیں 'ملک کی جیت کی پڑی'۔"
"تو پھر پوچھتی کیوں ہو۔" ایراد بھی ایک ڈھیٹ تھی۔
"اب جب وہ میری ان پکچرز سے میرے دل کا حال جان لے گا۔ تب لازماً مجھ سے ملنے کی کوشش کرے گا۔ بس وہیں سے ہماری ریلیشن شپ کا آغاز ہوگا۔ جس کا انجام۔"
"تو اس کا مطلب ہے تم جان بوجھ کر یہ سب کر رہی تھیں۔ ہم تو سمجھے یہ بے اختیاری ہے۔" دشمن

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com

ملک سے نفرت اور جذبہ حب الوطنی ہے۔ مگر تم تو یہاں بھی گم کر گئیں۔" تیا کی تاسف سے بھرپور آواز پر ایراد دل سے ہنس دی۔

"وہ سب کچھ جو گراؤنڈ میں ہوا' سب کچھ غیر ارادی اور قطعاً" فطری تھا۔ یہ فائدے نقصان تو میں اب سوچ رہی ہوں۔ آئندہ کا لائحہ عمل طے کر رہی ہوں۔ قیافے اور اندازے لگا رہی ہوں۔"

"کرتے رہیے روز ہزاروں کے حساب سے فینز ملتے ہیں۔"

"مگر کوئی مجھ سا کہاں؟" ایراد کا اعتماد بہت اوپر جا چکا تھا۔

آنٹی دست شناس کی پیش گوئیاں۔۔۔ اور بدلتے حالات۔

اب بھلا کیا مسئلہ ہو سکتا تھا۔ بس کچھ ہی دن بعد۔

☼ ☼ ☼

یہ پھپھی' بھتیجی میچ دیکھنے دبئی آئی تھیں۔ گھر پہنچیں تو ایراد ایک والہانہ استقبال کی منتظر تھی۔ اسے گلے لگایا جائے۔ پھولوں کے ہار پہنائے جائیں۔ جیسے وطن لوٹتے پر کھلاڑیوں کا کیا جاتا ہے۔ بیک گراؤنڈ میں اگر کوئی جوشیلا ملی نغمہ بھی لگایا جائے تو کیا ہی بات ہے۔

"یہ جو لیا آپ کو فون کھڑکا رہے ہیں نا' وہ میرے کارنامے پر مجھے سراہنا چاہتے ہیں کہ میں نے ملک و قوم کے لیے جو دعائیں کیں۔"

"ملک و قوم کے لیے دعا۔ یا اپنے لیے دوا۔ جیسے میں تم کو جانتی نہیں۔"

"اوہو۔" ایراد کھلکھلائی۔

گھر پہنچے تو امتیاز صاحب سامنے لاؤنج ہی میں مل گئے۔ ممی بھی ساڑھی میں ملبوس صوفے میں دھنسی ہوئی تھیں۔ ایراد کے بے حد گرم جوش سلام دعا پر ایک سرد مہری سی شاہی کو فوراً" محسوس ہوئی۔ ایراد پہلے باپ سے لپٹ گئی اور پھر ماں کے گلے میں بازو حمائل کر کے لپٹ گئی۔

سینٹرل ٹیبل پر اخبارات کے پلندے تھے۔

اس سے پہلے کہ ایراد اچک کر انہیں کھولتی' کہتی۔

"ڈیڈی! آپ نے میری پکچرز دیکھیں؟" وہ اخبار اٹھانے کو جھک گئے۔ ایراد نے آنکھیں نچا کر اشارے سے شاہی پھوپھو کو دیکھا۔

بھابھی کڑے تیوروں سے شاہی کو گھور رہی تھیں۔ شاہی نے بمشکل ایراد کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔ ساتھ ہی ذرا ابرو سے اشارہ کیا۔ ایراد نفی میں انکار کرنا چاہتی تھی۔ مگر ایک اس کے چہرے پر سراسیمگی پھیل گئی اور وہ ساکت ہو گئی۔ امتیاز صاحب نے اخبار کا پلندہ سامنے جانب اچھال دیا۔ ایک چہرے سے ٹکرایا۔ گرے۔ باقی پیروں سے ٹکرا کر زمین پر۔ اوپر والے پر شاہی کی گولڈن بالوں والی تصویر تھی۔

"یہ کیا ہے۔"

"یہ۔۔۔" شاہی نے شدید گھبراہٹ میں جھک کر اخبار سمیٹنے شروع کر دیے۔ جیسے یہی کام کرنے کو کہا گیا ہو۔

"یہ۔ ایراد وہ میچ میں۔"

"وہ بچی ہے۔ میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔" بھائی نے ذرا سا جھک کر اپنی شہادت اخبار پر ٹک ٹک بجائی' جہاں شاہی کی ایک اور تصویر تھی۔

دونوں ہاتھ اوپر کر کے وکٹری کا نشان۔ نیم ہونٹوں سے پتا لگتا تھا وہ ہونٹنگ بھی کر رہی تھی۔

"وہ یہ سب ایراد نے کہا تو۔"

"ایراد بچی ہے شاہ جہاں۔" بھابھی اٹھ کر آ گئیں۔ "تمہاری عقل کہاں گئی تھی۔ خود کو تم جج رہی ہو یہ سب کرتے ہوئے۔"

"میں نے کہا تھا اس سے۔ یہ بالی نہیں۔" شاہی نے تھوک نگلا۔ "آپ جانتے ہیں۔ میں اسے انکار نہیں کر پاتی۔ اس کی ضد۔"

"بچے ضدیں کرتے ہی ہیں۔ بڑے عقل استعمال کرتے ہیں۔" بھائی نے لفظ لفظ پر زور دیا۔

"ہاں۔ مگر۔"

"سوری ڈیڈی۔ یہ سب میری وجہ سے۔ پھوپھو بالکل نہیں مان رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ مغربی ممالک میں چھوٹا' بڑا' جوان بوڑھا سب ٹیم کو بک اپ کرنے جاتے ہیں۔ سو وہ بھی۔ کچھ ڈیفرنٹ۔ کچھ۔" ایراد تیزی سے اٹھ کر ماں باپ کے بیچ آ کھڑی ہوئی۔

"تم بیچ میں مت بولو۔" ڈیڈی نے ہاتھ اٹھایا اور ایسی قطعیت۔ ایراد نے کب جھیلی تھی۔ فقط لہجے کی سختی پر اس کا دل بند ہو گیا۔ بولنے کی کوشش میں گلا رندھ گیا۔ ممی کے "تم جاؤ" والے اشارے پر جیسے جنبش کی سکت بھی نہ رہی۔

"پیدا کرنے والی ماں کی کوئی حیثیت نہیں۔ پھوپھی کو پھوپھی سے عشق ہے۔ بڑی کو پھوپھی سے عشق ہے۔ اکلوتے بیٹے کو گوری سے عشق ہو گیا۔ ادھر ہم ماں باپ نوکری کو لیے اکیلے بیٹھے ہیں۔"

ممی نے نوحہ داستان کا رخ ہی بدل دیا۔

"یہ سب آپ پھوپھو کو کیوں کہہ رہی ہیں۔" ایراد نے رندھی ہوئی آواز میں منمنایا۔ "انہوں نے کیا کیا ہے۔"

"تو پھر کس سے کہوں۔ کس سے پوچھوں۔ ادھر وہ آنزہ بھی آج یہی کہہ رہی ہے۔ پھوپھو کو پوچھ نہیں۔ پھوپھو نے کچھ نہیں کیا۔ ساتھ ہی کہتی ہے پھوپھو کی زندگی سامنے تھی۔ پتا نہیں میں نے مردوں کے حوالے سے اپنی رائے کیوں بدلی۔ جبکہ مجھے شروع سے پتا تھا کہ یہ عورتوں کو بے وقوف بنانے کے لیے دھوکا دینے کے لیے دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ مگر نہیں قسمت خراب تھی جو باتوں میں آ گئی۔" ممی رٹو طوطے کی طرح شروع ہو گئی تھیں۔

"آنزہ۔" پھوپھو اور ایراد بری طرح چونکیں۔

"اس کا کیا ذکر۔ اس نے یہ سب کیوں کہا۔ کیا ہوا ہے؟"

"وہ ایسی باتیں کیوں کر رہی ہے۔" شاہ جہاں کھڑی ہو گئیں۔

"ہمیں کیا پتا کیوں کر رہی ہے۔ بیٹھی ہے اندر پوچھو جا کر' تم ہی کو بتائے شاید۔ ہمیں کیوں بتائے گی۔ ہم تو صرف پیدا کرنے کے گناہ گار ہیں۔ پالا پوسا تو تم نے ہے نا۔" غصے میں ممی کے منہ سے سچ نکل رہا تھا۔

"آنزہ ادھر ہے۔ وہ تو ادھر پاکستان میں تھی نا۔ وہ۔"

"ہاں۔ تھی وہ پاکستان۔" امتیاز صاحب نے بہن کو گھورا۔ "کل شام ہی پہنچی ہے روٹھ کر' خفا ہو کر۔" شاہ جہاں کا ہاتھ دل پر جا رکا۔

"مشکلیں۔ دکایتیں ایسی ہی تو نہیں بنتیں۔ پھپھی' بھتیجی ایک ذات۔"

ممی نے جو کچا تو شاہی کو لگایا تھا۔ پھر سر پکڑ کر بھی بیٹھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"مرد عورت کے کسی بھی ہنر کو ماننے کو تیار ہی نہیں۔ بلکہ تسلیم ہی نہیں کرتا۔ نہ ہنر کا' نہ عقل کو بلکہ عورت کو بھی۔" آنزہ کا لہجہ رونے سے بھاری تھا مگر تنی ہنوز تھی۔ وہ بات روک کر گالوں سے بہتے آنسوؤں کو بھی صاف کرتی تھی۔

"آنزہ ہوا کیا ہے۔" شاہی پھوپھو جواب کے لیے بے تاب تھیں۔ ادھر تمہید ہی ختم نہیں ہوتی تھی۔

"آپ کی ساری زندگی میرے سامنے تھی۔ پھر بھی پتا نہیں میں کیسے بے وقوف بن گئی۔ سارے تحفظات ذہن سے نکل گئے۔ باتوں کا جادو چلا دیا تھا۔ آج ملاقات۔ کل شادی۔ ایسے بھی کوئی کرتا ہے۔" آنزہ خود پر متاسف تھی۔ "تھوڑا وقت لیتی۔ وہ مجھے جانتا' میں اسے سمجھ لیتی۔ لوگ مٹی کا برتن لیتے ہوئے بھی ٹھوک بجا لیتے ہیں۔ میں نے آخر کیا کیا۔

نجانے کیا منتر پڑھ کر پھونک دیا تھا اس نے' میری جیسی عقل مند' پڑھی لکھی' ہنرمند لڑکی۔"

"منتر نہیں آنزہ۔ محبت جو وہ تم سے بے حد بے حساب کرتا ہے اور اب خدا کے لیے بتاؤ۔ معاملہ کیا ہے۔ جو تم ایسے ایک دم اچانک اتنا بڑا فیصلہ کر کے

READINGCORNERPK
http://readingcornerpk.blogspot.com/

نشت کتنا یہاں دبئی چلی آئیں اور وہ پیچھے وہ تمہارے اسٹوشوف۔"

"وہ تو سیٹ چینج ہو رہا ہے نا شو کا۔ تو پچھلے سال کا بیسٹ ویک دکھایا جا رہا ہے۔" ایراو نے آمنہ کی آج کل کی فراغت کا بتایا۔ پیار سے وہ لمبا بھائی نے آخر کیا کر دیا تھا۔

"وہ آئی سی۔" شاہی پھوپھو کے چہرے پر طمانیت پھیلی۔ ایسی اچانک غیر حاضری کتنے بڑے اسکینڈل کو جنم دے دیتی۔

"اس نے کہا کیا؟" پھوپھو نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ آمنہ نے دونوں کو باری باری دیکھا۔

"اس نے۔" ہچکی بھری۔ "اس نے کہا کس بات کی کوکنگ شو ایکسپرٹ بنتی ہوں۔ جب مجھے کسی بیمار کے لیے کھچڑی بنانا نہیں آتی۔ میں آلو گوشت نہیں بنا سکتی میں دلیہ تک نہیں بنا سکتی اور۔"

"کھچڑی اور دلیہ۔ انہوں نے یہ بچوں والی خوراک کیوں کھانی تھی۔" ایراو کی حیرت۔

"اسے ایک ہفتے سے بخار تھا۔ اس نے چکن والا دلیہ مانگا۔ میں نے اتنا اچھا اسپائسی گرم مسالے اور بگھار لگا کر بنا کر دیا اور۔ اور اس نے اسے پھینک دیا اور اتنا اونچا اونچا بولا کہ نیچے سیڑھیوں تک آوازیں جانے لگیں۔"

"آوازیں کیوں۔ بول تو وہ رہا تھا' آواز کہو۔"

"تو کیا میں منہ سی کر رکھتی' جواب نہ دیتی۔" وہ چمک کر بولی۔

"تم نے اتنی سی بات پر گھر چھوڑ دیا آمنہ' اتنی معمولی بات۔"

"یہ معمولی بات ہے پھوپھو۔ میرا کیریئر۔ اگر کوئی سنتا کہ آمنہ امتیاز کوکنگ ایکسپرٹ کا میاں ہی اس کے سارے ہنر کو اس طرح ڈی گریڈ کر رہا ہے تو۔ میرا کیریئر تو ختم ہو جاتا نا۔ اس نے مجھ سے شادی ہی اس لیے کی تھی کہ میں اسے پکا پکا کر کھلاتی جاؤں۔" وہ صد درجہ بدگمان تھی۔

"وہ تو آخری پل تک نہیں جانتے تھے کہ آپ دراصل ہیں کون۔" ایراو کے منہ سے نکلا۔

"تم مرد کی چال بازیوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ کہہ دیا ہے میں نے اسے ڈھونڈے اپنے لیے کوئی آلو گوشت اور کھچڑیاں بنانے والی خانساماں۔ مائی گاڈ' جس طرح وہ اونچا بول رہا تھا۔ اگر جو کوئی سن لیتا' میرا کتنا مذاق بنتا۔ دنیا کیا کیا باتیں نہ بناتی۔"

آمنہ نے جھرجھری لی' ساتھ ہی لہجے میں طمانیت اتر آئی کہ اچھی کر کے آئی۔ وہ عاشر کے ساتھ۔ یاد رکھے گا۔ اسے سارا اس نے [illegible] ہونہہ۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے' گھر ٹوٹنے پر دنیا کوئی باتیں نہیں کرے گی۔ شوبز کی لڑکیاں تو ویسے بھی بدنام ہیں' اور تم ایک معمولی سی بات پر۔" شاہی پھوپھو نے تیزی سے کہا اور یک دم جملہ ادھورا چھوڑ کر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

ایراو اور آمنہ تیزی سے دائیں بائیں چپک گئیں تو شاہی نے خود کو بجلی کی سی تیزی سے جھٹکا دے کر جیسے انہیں دور کرنے کی کوشش کی۔

"عورت بے قصور ہو یا قصوروار اسے ہر دو حال میں سرنگوں کرنا ہی ہوتا ہے اور تم تو چلو خوش قسمت ہو کہ شوہر نے ایک کوتاہی کی بتا کر ناراضی کا اظہار کیا۔ اور یہ بھی خوش قسمتی ہے کہ تم اپنے لیے اسٹینڈ لے سکتی ہو اور ڈٹ سکتی ہو۔ ورنہ مجھے تو آج تک یہ نہیں معلوم کہ کس کوتاہی اور کمی کی بنا پر جواد کے دل پر چڑھ ہی نہ سکی۔ جیسے آج تم خود کو مکمل بے عیب سمجھتی ہو۔ میں بھی تم سی ہی تھی۔ عاشر کو آلو گوشت اور کھچڑی دلیہ پسند نہیں آیا تم سیکھ سکتی ہو۔

جواد کو سب سے پہلے میرا نام ہی پسند نہ آیا۔ شاہ جہاں' مردانہ نام۔ میں ان سے عمر میں بہت چھوٹی تھی۔ خالہ (ساس) سب کو یہ بات فخر سے بتائیں' نام کے بعد اگلا اعتراض عمر پر کر دیا۔ پہلے میں انہیں شوخ و شنگ' بے دھڑک بولنے والی' کم عقل لگی۔ پھر جب اس کا الٹ ہو کر جینے لگی۔ تب گم صم کہہ کر چڑنے لگے۔ جب ترنت جواب دیا تو منہ پھٹ ہو گئی۔ اٹک کر ٹھہر ٹھہر کے بولنا سیکھا تو کسی کے آگے بول نہیں

سکتی' نہ جواب دینا جانتی تھی' دو کوڑی عقل۔

اور یہ شکایتیں۔ بلکہ شکایتیں بھی چھوٹی سی پریشانی جب اماں سے شیئر کی تو بولیں۔ اچھی بیٹیاں گھر بسانے کی کوشش کرتی ہیں۔ مگر کیسے کرتی ہیں؟ یہ نہ بتایا۔ بھابھیاں مذاق اڑانے لگیں' میں آج کیا پک رہا ہے' جیسا سوال کرنے کے لیے منہ کھولتی۔ بھابھیاں۔ بھائی یک زبان بولتے تو جی کوئی اور شکایت یاد آتی کوئی اور لگے۔

وہ جواد کو غلط مان ہی نہیں سکتے تھے۔ اتنا بڑا بزنس مین۔ اسے پاکستان میں اپنے کام کو اسٹیبلش کرنے کے لیے ابا کا تجربہ درکار تھا اور ابا کے لیے وہ بیرون ملک تجارت و کاروبار کے لیے راستہ۔ دونوں اپنے اپنے مفاد حاصل کر لیتے۔ مگر خالہ کو میں اچھی لگ گئی تھی۔ سچ بات ہے' ہمارا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ وہ عمر میں بڑے اتنے سارا بڑھے ہوئے آدمی۔ (رونے اور ہچکیاں لینے میں مزید شدت آ گئی۔)

وہ امتیاز بھائی اور حسین بھائی سے بھی بڑے تھے۔ ان کا رعب بھی بڑا تھا۔ میں نئے رشتے سے شرمسار رہتی' خالہ جان۔ خالہ زندہ تھیں تو مجھے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ ہر شے کو ٹھیک رکھتیں۔ ہمارے درمیان پل تھیں' جس پر چل کر ہم ایک دوسرے تک آتے تھے۔ انہیں اپنی امریکی کلاس فیلو پسند تھی۔ جو خالہ کو کسی بھی حال میں قابل قبول نہ تھی کہ وہ عیسائی تھی۔ خالہ اسے امریکی سفید بندریا کہتی تھیں' اسکرٹ سے جھانکتی لمبی ٹانگیں اور سنہرے بالوں سے گھن آتی تھی۔ مگر کیا سمجھتے کہ وہ جواد کی پسند تھی اور خالہ پسند کی راہ میں حائل رکاوٹ۔ جب رکاوٹ دور ہو گئی تو راہیں بھی کھل گئیں۔

خالہ نے اور اماں نے اور بھابھیوں نے بھی کہا تھا۔ نمک مرچ سے درست کھانے پر انحصار کرتی عورت مرد کا دل جیت لیتی ہے۔ اسے مائل کرتی ہے اپنی جانب۔ اور قائل کر لیتی ہے اپنے لیے۔ مگر میرے تجربے نے بتایا' مرد بے حس ہو تو پھر عورت نہ قائل کر پاتی ہے' نہ گھائل۔

"تم یہ کیا اپنے پالک گوشت اور دال چاول کا ملغوبہ سا سجا کر رکھ دیتی ہو۔ میں ایسے کھانے نہیں کھاتا۔" وہ عجیب نظروں سے مجھے اور میرے دسترخوان کو دیکھتے' کس مشاقی سے چاپ اسٹک کا استعمال کرتے تھے۔

"اسے چاپ اسٹک کہتے ہیں' کبھی تم اپنی اماں کو فون کر کے کہو کہ جواد ڈنڈیوں سے کھانا کھاتا ہے' چمچ کے بجائے۔" پھر ہنس دیتے۔

میں کہہ نہ پائی کہ کراچی میں کھلنے والے جاپانی ریسٹورنٹ کی پہلی اور پھر مستقل گاہک میں ہی تھی۔

"وہ عورت اب گھر آ کر گھنٹوں بیٹھی رہتی ہے اماں!" میں نے فون کھڑکایا۔ "دفتر میں' راستے میں بھی ساتھ ہوتی ہے اور دل میں تو ہے ہی۔"

"تو تم نے کیوں نہ جگہ بنائی اب تک۔ تم کرتی کیا ہو' ایک بچہ بھی نہ ہوا۔" "سب کچھ جانتے بوجھتے بھی اماں کا طعنہ دل چھلنی کر گیا۔ میں نے کہا۔

"بھلے سے امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں رہتی ہوں اماں۔ مگر بچے یہاں کے بازاروں سے نہیں ملتے۔"

"اور اس روز مجھے سمجھانے کی اس مہم میں ابا پیش پیش تھے۔ میرا جملہ ان کی سماعتوں سے ٹکرایا تو بولے کہ انہیں نہیں پتا تھا میری زبان اتنی لمبی ہے اور جواد جیسا باوقار' سمجھ دار شخص۔ سارا قصور میرا ہی ہوگا۔"

لڑکیاں خواب دیکھتی ہیں اپنے شوہر اور زندگی کے۔

پھر وہ بچہ۔ پتا نہیں کیسے آ گیا۔ میں خوش زیادہ تھی یا حیران زیادہ۔ پتا نہیں چلا۔ مگر پھر پریشان ہو گئی' جب انہوں نے اسے نامنظور کر دیا۔ میں نے اس بار رو رو کر اماں' ابا کو فون لگایا تو وہ پہلی بار میرے ہم نوا ہو گئے۔ میں بچی لگی انہیں۔ بھائی خوش تھے' مضبوط رشتہ۔ مضبوط ترین ہونے جا رہا تھا۔ مشترکہ بزنس کتنی کامیابی سے بڑھ رہا تھا۔

مگر اگلا روز۔

"جب وہ راضی نہیں ہے۔ ابھی فی الوقت نہیں چاہتا تو تم بھی منہ پھاڑ کر کیا کہیں۔ بیوی کو میاں کی مرضی پر ہی چلنا چاہیے۔ یہی سنتے سمجھتے آئے

ہیں۔" بھائی کہہ رہے تھے۔

"ہاں شاہی! انھیں کیا پڑی ہے ابھی اکیسویں برس میں لگی ہو۔ انجوائے کرو لائف۔ بلکہ وہ جو تم کالج میں داخلہ لے رہی تھیں وہ لو۔ امریکہ میں رہ کر چک بیس جیسی رشیداں والی سوچ۔ چچ چچ چچ۔"

بھابیوں کے اپنے انداز تھے۔ کوئی نہیں چاہتا تھا جواد کی خفگی کا ذرا سا بھی سامان ہو۔

اور میں جو ہر چھوٹے بڑے معاملے پر ان سب کی رائے لیتی تھی۔ جو کہہ دیتے "آمنا صدقنا" کہتی تھی۔ پہلی بار انکاری ہو گئی۔

ادھر سب لوگ حیران تھے۔ تو جواد بھی ششدر رہ گئے۔

اور انھیں تو جیسے ایسے ہی کسی موقع کی تلاش تھی۔ بیٹے کی پیدائش کی اطلاع جب بھائی نے دی تب لمحہ بھر کے سکوت کے بعد وہ اس ٹینڈر کا پوچھنے لگے جس کا ملنا بہت اہم تھا۔

ابا نے ایک بار اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کی تو بولے

"کاروباری گفتگو میں گھریلو باتیں اچھی نہیں لگتیں۔"

اور ابا نے بلکہ کسی نے بھی پلٹ کر نہ پوچھا کہ کیوں۔

ہاں سب مجھے مورد الزام ٹھہراتے تھے۔ گھر والے 'باہر والے 'ایک دنیا۔ گھر اجڑ جائے تو قصوروار عورت ہی ہوتی ہے۔

آج تم لوگوں کا اپنے ابا کے سامنے بحث کرنا 'دلائل دینا دیکھتی ہوں تو حیران ہوتی ہوں۔ میں لب کھولتی تھی تو ابا ہاتھ اٹھا کر منہ سے کچھ کہے بنا "خاموش۔ ش ش ش۔" کا ایسا تاثر دیتے کہ دنوں بازگشت ہوتی رہتی۔

بھائیوں کے پاس گئی۔ انھوں نے کہا۔

"ایسے ہی سوال و جواب جواد کے آگے بھی کرتی ہو گی۔"

"ہاں جب ہی تو۔" بھابیاں تائید کرتیں۔

اور دس سال بعد جب وہ شاہ میر سے ملنے آئے ہمیں لینے۔" وہ استہزائیہ ہنسیں۔ آنسو خشک ہو چکے تھے۔ سامعین کے بہہ رہے تھے البتہ۔

✡ ✡ ✡

آگے کی کہانی آمنہ کو یاد تھی۔ اسے اتنے بڑے بڑے پھوپھا پسند آئے تھے۔ سارا گھر خوش تھا۔ تجدید تعلق۔ اب پھوپھو اور شاہ میر اپنے گھر چلے جائیں گے۔ پھوپھا۔ شاہی پھوپھو سے کم گفتگو کرتے تھے۔ ہاں سب گھر والوں سے بڑا خوش گوار ملنسار رویہ۔ نئے کاروباری تقاضوں کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو۔ ایک جوش و خروش تبدیلی۔ وہ ہر ایک کے لیے تحفہ تحائف لائے تھے۔ سب خوش تھے۔

بالخصوص شاہ میر۔ وہ تو اپنے پاپا سے یوں لپٹا جیسے ان ہی کے ساتھ رہتا ہو۔ دوستی ساتھ کوئی اجنبیت نہیں۔ گھنٹوں باتیں کرتے 'گھومتے پھرتے' وہ پھوپھو کی اجازت سے شاہ میر کو اپنا آبائی گاؤں دکھانے تین دن کے لیے گئے۔ اندرون سندھ شکار پر بھی بوٹنگ کے لیے بھی۔

سب نے سن رکھا تھا۔ پھوپھو کے آنے کے بعد پھوپھا نے اپنی اسی دوست سے شادی کر لی تھی۔ آمنہ نے ماں کو یہ کہتے بھی سنا کہ اس عورت کے اولاد نہیں ہوئی۔ جب ہی شاہ میر یاد آیا اور امریکی خون کب ایک کھونٹے سے بندھا رہتا ہے۔ بھاگ گئی ہو گی اور شہ زادہ ہے شاہ جہاں۔ جواد کو لوٹنا تو تھا ہی۔ پھوپھا شاپنگ پر بھی لے کر جاتے۔ شاہی پھوپھو کو بھی لے گئے۔ کسی نئے پروجیکٹ کے لیے پورٹ قاسم کے علاقے جاتے تو شاہ میر تین تین دن کے لیے باپ کے ساتھ چلا جاتا اور واپسی پر بے انتہا خوش ہوتا۔ ایک ایک کو وہاں گزارے پل پل کی خبریں سناتا۔ پاپا کی تعریفیں الگ۔

اور ایسے ہی ایک وزٹ سے واپسی جب مقررہ وقت سے گزر گئی اور باپ بیٹا نہ لوٹے۔ تب اس نے سو برے خیال سوچے مگر وہی ایک نہیں جو ظہور پذیر ہوا تھا۔ باپ بیٹا امریکہ جا چکے تھے۔

سو فون کالز کے بعد جواد کا خشک 'روکھا' دو ٹوک لہجہ

گھر والوں کے لیے اجنبی تھا شاہی کے لیے نہیں۔

"ہاں۔ وہ میرا بیٹا تھا اور میں اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ برائے مہربانی اس معاملے کو یہیں ختم کر دیں۔ ورنہ عمریں گزر جائیں گی۔ پیشیاں بھگتتے بھگتتے اور یہاں کسی کے اندر پیشیاں بھگتنے 'مقدمے کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ وقت نہیں تھا۔ لیکن اگر شاہی نے۔ وہ اتنی آسانی سے ٹھنڈی ہو کر کیوں بیٹھے گی۔ اتنا بڑا دھوکا 'جان بند تھی اس کی بیٹے میں۔

اور شاہی پھوپھو کا چہرہ اس وقت ایک ایسی لاش کا تھا جس کے جسم سے خون نچوڑ کر سفیدی رگوں میں انجیکٹ کر دی گئی ہو۔ برفیلے عجائب گھر کے مجسموں کے جسموں میں بھی بنانے والوں کے ہاتھوں کی گرمی ہوتی ہے۔ شاہی اس سے بھی ٹھنڈی۔

اور ابا کے جملوں نے سب کو حیران کر دیا۔ انھیں پہلی بار اپنے اردگرد سچائی رقص کرتی محسوس ہوئی۔ (جناتی 'ہنستی' منہ چڑاتی سچائی۔)

"میں کیس کروں گا جواد پر۔ اس کی اتنی ہمت' اس نے۔ اس نے۔ ایسے کیسے آسانی سے۔"

باپ کے دبنگ لہجے 'اصل ارادے نے دونوں بیٹوں کی رگوں میں بھی لہو کو گرما دیا۔ "ہاں ایسے کیسے۔" تب شاہی کے ٹھنڈے ٹھار لہجے نے سب کو حیران و پریشان کر دیا۔

"میں ایسا کچھ نہیں کروں گی بلکہ کوئی کچھ بھی نہیں کرے گا۔"

"مگر کیوں؟ شاہی ایسا کیسے کہہ سکتی ہے۔ اس کا دماغ تو نہیں چل گیا۔

"جواد سے ایسی وعدہ خلافی 'دھوکا بازی' حیرانی کی بات نہیں 'ناراضی کی بھی نہیں۔ وہ ایسا ہی تھا 'بزدل شخص۔ ماں کے آگے اسٹینڈ لے کر اپنی من پسند عورت نہ اپنا سکا اور میری زندگی خوار کی اور اتنا ہی بزدل تھا کہ وہ ایسے چور راستے سے آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنے بیٹے کو لے کر جاتا۔"

"ہاں تو اسی بات کی تو اسے سزا دلوائیں گے 'جواب طلبی کریں گے۔"

"میں نے کہا ہم کچھ بھی نہیں کریں گے۔ وہ ایسا ہی منصوبہ ساز تھا۔ اس پر مقدمہ کروں تو جیت بھی جاؤں۔ مگر میں جیتنا چاہتی ہی نہیں۔ وہ جعل ساز تھا۔ دھوکے باز۔ مگر۔" شاہی کی آواز پہلی بار بھرائی۔

"میرے بیٹے کو کیا ہوا۔ اس نے اپنی ماں کے ساتھ اتنا بڑا فراڈ کیسے کیا۔ ایسے ایک دم تو ملک سے باہر نہیں چلے جاتے۔ بہت سے مراحل ہوتے ہیں۔ وہ سب سے گزرا اور ماں کو بتایا تک نہیں۔ آخری پل تک۔ جب نکل رہا تھا گھر سے 'میں نے بال سنوارے' تب بھی نہ بولا۔ جلدی میں گلے ملنا بھول گیا اور پپی بھی نہیں دی۔ میں نے پکارا اسے تب بھی کچھ کہنا یاد نہ رہا۔ اور جب گاڑی میں بیٹھ کر جا رہا تھا اور میں گاڑی کے اوجھل ہونے تک کو ہاتھ ہلا ہلا کر خدا حافظ کہتی رہی 'تب اوجھل ہوتے ہوئے بھی نہ بولا کہ ماں آخری ملاقات ہے۔ جی بھر کے گلے لگا لیں یا ایک پپی اور لے لیں۔

دفنانے سے پہلے چہرہ دکھا دینے کی رسم ہوتی ہے۔ مجھے مار کے جا رہا تھا۔ دنیاداری ہی نبھا لیتا۔ مجھے کسی پر مقدمہ نہیں کرنا۔ چلا گیا۔ چلو جہاں رہے 'خوش رہے۔"

اور اس دن کے بعد کسی نے پھوپھو کے منہ سے جواد کا نام تک نہ سنا۔ شاہ میر کا تذکرہ نہ ہوا۔

✡ ✡ ✡

"اس سب کے باوجود میں مردوں کو برا نہیں کہتی۔ بھابیاں ایسے ہی بدگمان ہوتی ہیں اور پھر اس نے سب رابطے منقطع کر دیے۔ بھائیوں کو کاروباری حوالے سے دھچکا لگا۔

میں مردوں کو برا نہیں کہتی 'لیکن مجھے اب کوئی یاد نہیں آتا۔

دنیا میں کچھ مرد۔ مرد مومن بن کر آتے ہیں تو کچھ مردود بن کے۔ نیکی اور بدی۔ ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ آمنہ! تم صرف آلو گوشت کے لیے گھر چھوڑ کر آ گئیں؟"

READING CORNER

اپنا رونا رو لینے کے بعد پھوپھو ایک دم پھر بہار بن گئیں۔ جیسے ماضی پر لعنت بھیج دی ہو۔

"اس نے مجھے روکا بھی نہیں پھوپھو۔" آمنہ کو نیا دکھ یاد آیا۔

"اس نے جانے کو کہا تھا کیا۔" پھوپھو نے پوچھا۔ آمنہ نے ناک سکوڑتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔

"اسے بخار تھا۔ ڈاکٹر نے پہلے پٹیاں رکھنے کو کہا۔ پھر نہا لینے کا کہہ دیا۔ بخار پھر بھی کم نہ ہوا۔ دراصل وہ کچھا پہن کر لیٹا ہوا تھا نا۔ میرا مطلب ہے۔"

"دراصل ہم تو برمودا یا شارٹ کہتے ہیں۔ مگر یہ دونوں بھائی اسے کچھا کہہ رہے تھے۔ اس لیے میرے منہ پر بھی چڑھ گیا۔"

رنجیدہ روتے دھوتے ماحول میں شرمسار آمنہ کے منہ سے نکلنے والے جملے نے پھوپھو اور ایراد کے ہوش اڑا دیے۔ پھر جب معنی و تشریح کی گہرائی میں کودیں اور پھر بہ دقت ابھریں۔ تب ہنستے ہنستے مرنے کو ہو گئیں۔

"ہائے اللہ مر گئے۔"

خجل آمنہ دونوں کو دیکھتی رہی۔ ہنسی تھمی تو پوچھا۔

"اب میں اسے کیسے مناؤں گی پھوپھو؟ وہ مان تو جائے گا نا اور کیا آپ مجھے کھچڑی اور وہ بیماروں والا چکن کا دلیہ بنانا سکھا دیں گی؟"

☼ ☼ ☼

دبئی سے واپسی پر۔

ایراد کا تو خیال تھا کہ شام تک آفریدی بنفس نفیس خود آ جائے گا۔ مگر ایک چھوڑ کتنی شامیں گزریں نہ وہ آیا' نہ اس کی کال آئی۔ یہاں تک کہ وہ اور شاہی پھوپھو کراچی لوٹ آئیں۔

زندگی اچانک کتنی اداس اور بے رنگ ہو گئی تھی۔ وہ ہر روز اپنا فیس بک اکاؤنٹ چیک کرتی۔ شاید شاہد آفریدی نے اسے جوائن کیا ہو۔

راہ چلتے سست سے لوگوں نے پہچان لیا' پکار لیا۔

نہیں آیا اور نہیں بلایا تو اس بے درد نے۔ زندگی جن کے تصور میں۔ حق ہا۔

لیکن آنٹی دست شناس نے کہا تو غلط تو نہیں کہا ہو گا نا۔ سوچ سوچ کر سر دکھ گیا۔

"مجھے ان کو کال کر کے ان سے آگے کے بارے میں پوچھنا چاہیے۔" ایک فیصلے پر پہنچ کر وہ مطمئن ہو گئی۔

اگلے روز شاہی پھوپھو کے پیچھے پڑ گئی اور چہرے پر جو امید اور مایوسی کا ملا جلا تاثر تھا وہ پھوپھو کو مجبور کر گیا۔ دونوں نجمی کے گھر پہنچ گئیں۔

آنٹی ایراد کو دیکھ کر ایسے خوش ہوئیں جیسے برسوں کے دو بچھڑے کی ملن گھڑی ہو۔

دونوں ہاتھوں کو دائیں بائیں پھیلا کر ایراد کو ویلکم کیا۔

"میں نے کہا تھا نا تم سے ایک وقت آئے گا جب تم آفریدی کے نام سے اور آفریدی تمہارے نام سے پہچانا جائے گا۔ یعنی دونوں کا نام ساتھ لیا جائے گا۔ اس میچ کے بعد تم تاریخ کا حصہ بن گئیں۔ تم دونوں ایک مضبوط رشتے میں بندھ گئے ایراد!"

ان کا لہجہ خوشی سے معمور تھا۔

"رشتہ۔" ایراد نے ہونق پن سے پھوپھو کی صورت دیکھی۔

دونوں پھپھی' بھتیجی کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"کون سا رشتہ؟"

"ایک فنکار اور پرستار کا رشتہ۔ ایک پاکیزہ اور انمول رشتہ۔ ایک ایسا رشتہ جس پر کوئی حد نہیں لگتی جسے ہر معاشرے میں عزت اور محبت ملتی ہے۔ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ لوگ جب جب آفریدی کی اس شان دار اننگ کو یاد کریں گے تم لامحالہ یاد آؤ گی۔ تمہارے ذکر کے بغیر اس میچ کا ذکر ادھورا ہے گا۔ دراصل یہ رشتہ۔"

"کیا رشتہ۔ کیسا رشتہ۔" ایراد کی آواز پھٹ جانے کو ہو گئی۔ "مجھے نہیں چاہیے ایسا رشتہ۔ مجھے تو۔" وہ شدت غم سے مزید بول نہ سکی۔ آنٹی نے اچنبھے سے اس کی غم زدہ صورت دیکھی۔

"یہ رشتہ نہیں۔ تو کون سا رشتہ۔ کیسی شہرت'

ہوا تھی کیا تھیں؟"

"میں نے کیا چاہنا ہے۔" ایراد اپنے ہاتھ چھڑا کر صوفے پر دھپ سے بیٹھی۔ "وہ تو میرا آئیڈیل تھا۔ مجھے شادی کرنا تھی اس سے۔"

"مگر اس روز تو تم کچھ اور ہی پوچھ رہی تھیں۔"

آنٹی کو وہ دن من و عن یاد تھا۔

"تو کیا دوستوں' بدتمیزوں کے سامنے منہ پھاڑ کر کہہ دیتی کہ۔" اس نے ہائے کہہ کر سر پکڑا۔

"تو اب بھی تو کہہ دیا نا۔" پھوپھو کا صدمہ جاتا ہی نا تھا۔ دل کے حال کی تو انہیں بھی خبر نہ تھی۔

☼ ☼ ☼

شاہی پھوپھو گیلری میں کھڑی نیچے سے گزرتی ٹریفک کی روشنیوں کو دیکھ رہی تھیں اور مسلسل سوچ رہی تھیں۔ امتیاز بھائی نے کہا تھا۔ "تمہارے یہ تماشے' حلیہ دیکھ کر لوگ کیا کیا نہ سوچیں گے۔"

اور شاہ جہاں نے سوچا۔ لوگوں کو دوسروں کے بارے میں سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔ اتنا وقت کس کے پاس ہے اور اگر سوچیں گے بھی تو بھلا کیا۔ اور یہاں پر حوالات میں تضاد تھا۔ مگر ایک چیز یکساں تھی۔ سب مذاق اڑائیں گے۔ قہقہے لگائیں گے۔ کہ گھر اجاڑ کر کتنی خوش و خرم بیٹھی ہے۔ اسی کا افسوس ہوتی ہیں بعض عورتیں اس فطرت کی جو اپنی آزادی و خوشی کے لیے سب کچھ قربان کر دیتی ہیں۔ بیٹے کے بغیر کیسی شاداں و فرحاں ہے۔ باپ بھائیوں نے تو کہا تھا۔ ہم بیٹے کے حصول کے لیے کیس کر دیتے ہیں مگر اسی نے منع کر دیا۔ تھی ہی خبطی۔ جب ہی تو آزاد اکیلی رہتی ہے۔ اچھے لباس پہنتی ہے۔ میک اپ۔ ہنسی مذاق۔

ہاں خوش ہوں تو بے حس ہے۔ جو کے لیوں آنسو بہاؤں تو نحوست ڈال رکھی ہے کا طعنہ سنوں۔ تو جب ہر دو صورت سننا ہی ہے تو خوش کیوں نہ رہا جائے۔ بار بار سننے سے لطیفے سے ہنسی غائب ہو جاتی ہے ایسے ہی ایک ہی غم کو زندگی بھر رویا کیسے جا سکتا ہے۔

پیارے بچوں کے لئے

قصص الانبیاء

تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کا شجرہ مفت حاصل کریں۔

قیمت -/300 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

فلسفہ گریڈ کے بارے سے بھولے بھالے بچے کی شکل بھی بھولی ہی تھیں۔ پتا نہیں وہ کہاں ہوگا۔ اسے میں یاد بھی ہوں گی یا... کبھی دل چاہتا ہے بس ایک بار مل جائے تو اتنا پوچھ لوں' میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ یا پھر شاید میں ہی غلط تھی۔ ساری کمیاں اور خامیاں میری ہی رہی ہوں گی۔ جب ہی تو سب مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور اتنے سارے لوگ ایک ساتھ تو غلط بھی نہیں ہو سکتے۔

وہ آنکھ سے جھر جھر بہتے آنسوؤں کو پونچھنے کا تکلف نہیں کر رہی تھیں۔

نیچے سے دیکھنے والے کو ایک شان دار اپارٹمنٹ کی گیلری سے چائے کا مگ انجوائے کرتی ہوا کھاتی عورت روتی کراہتی دکھائی دے بھی نہیں سکتی تھی اور آنسو بھی کب گواہی ہوتے ہیں دکھوں کی۔ گننے والے ان کو بھی جھوٹا کہہ دیتے ہیں۔ ڈھکوسلے۔

تو شاہ جہاں نے زندگی سے یہ بھی سیکھا کہ رونا اس بات کی ضمانت نہیں بن سکتا کہ آپ سچ مچ دکھی ہیں اور اسی طرح ہنسنا اس چیز کو ثابت نہیں کر سکتا کہ آپ واقعی خوش ہیں۔

اور وہ دیکھنے والے وہ باتیں ہی بنائیں گے تاکہ سن لوں گی۔ اتنے سال سے اور کر کیا رہی ہوں۔ زندگی میں مزید برا کیا ہو سکتا ہے یا اچھا۔ آخری سوچ نے دل کو طمانیت سی دی۔ بعض اوقات بے حسی اور لاتعلقی کتنی سکون بخش لگتی ہے۔

ڈور بیل کی آواز نے شاہی پھوپھو کو بالآخر آنسو پونچھنے پر مجبور کر دیا۔ (وہی کوئی دیکھے گا تو... کیا سوچے گا۔)

☆ ☆ ☆

سترہ یا اٹھارہ برس تک کا ایک لڑکا تھا۔ جو بیل بجانے کے بعد اپنی ایڑی پر گھومتا دروازہ کھلنے کا منتظر تھا۔ خاکی پینٹ' خاکی بوٹ' خاکی جیکٹ اور ملے جلے رنگوں کی شرٹ۔ اس کا جوتا اور گھڑی قیمتی تھی۔ لڑکے کے بالوں اور جلد میں بھی ایک سنہرا پن تھا۔ وہ ہونٹ کے کونے کو دانت سے بار بار پکڑ لیتا تھا۔

"یہ کون ہے۔" آئی ڈور سے تفصیلی جائزہ لینے کے بعد انہوں نے الجھ کر سوچا۔ دوبارہ بیل بجی۔ بیل کی آواز سے نووارد کے اضطراب کا پتا چلتا تھا۔ اس کے پیروں کے پاس ایک کیمل اسٹائل کا بیگ بھی تھا۔

"کون ہو... کس سے ملنا ہے؟"

"میں... وہ... مجھے آرہ امتیاز... میرا مطلب ہے یہ آرہ امتیاز کا گھر ہے نا۔" وہ دروازے سے بالکل منہ جوڑ کر پوچھ رہا تھا۔

"اوف... آرہ کا گھر وہ سامنے والا ہے۔" شاہی پھوپھو نے دروازہ کھول دیا۔ مگر خفا خفا سی چتون لگتی رہی۔

"تم عاشر کے رشتے دار ہو؟" نووارد نے بیگ اٹھا کر اپنا رخ سامنے والے گھر کی طرف کر لیا۔

"جی نہیں میں آرہ امتیاز کا... وہ میری کزن ہیں۔ میں ان کی پھوپھو کا بیٹا ہوں۔"

جملہ مکمل کرتے ہوئے وہ عاشر کے گھر کی بیل بجا چکا تھا۔ رخ پھیر چکا تھا۔ جب شاہی نے اپنا دروازہ پورا کا پورا کھول دیا۔ شاہ میر کا دھیان ادھر نہیں تھا۔ وہ بہت عجلت اور بے چینی کے عالم میں بیل پر انگلی رکھ کے بھول گیا تھا۔

شاہی نے اس کا شانہ سختی سے پکڑا تھا اور یک جھٹکے اس کا رخ اپنی جانب موڑ لیا۔

"اور میں آرہ امتیاز کی پھوپھو ہوں۔"

شاہ میر کسی وہم میں مبتلا نہیں ہوا۔ رخ پھیرتے ہی پہلی نگاہ میں وہ پہچان کی تمام منزلیں طے کر چکا تھا۔ وہ کوئی انہیں بھولا تھوڑی تھا۔ نقش نقش ازبر تھا۔ کچھ بااختیار ہو کر انہیں ڈھونڈنے پانے کے لیے جناب مقاصد سے ہٹ کر بڑا مقصد تھا۔

وہ اس کے پیچھے کیوں نہ آئیں۔ اس سے اتنی محبت کرتی تھیں۔ اس سے لپٹے بغیر انہیں نیند ہی نہ آتی تھی۔ وہ سوچتا' وہ اتنے سالوں سے جاگ رہی ہوں گی کیا؟

اس نے باپ سے ان کے بارے میں پوچھنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اس موضوع پر بات کرنے ہی نہ دیتے تھے۔

"تم میرے بیٹے تھے اسی لیے میرے پاس ہو۔ یہ ساری جائیداد' بزنس سب تمہارا ہے۔ تمہیں کس چیز کی کمی ہے۔ انجوائے کرو زندگی۔ تمہارے باپ نے تمہارے لیے سب کچھ جمع کر لیا ہے۔"

اور سب کچھ میں بس ماں نہیں تھی۔ ماں کا نام بھی نہیں تھا۔ لینا بھی منع تھا۔ وہ بس سوچتا' وہ جدائی میں اندھی نہ ہو گئی ہوں یا بولنا بھول گئی ہوں یا ہنسنا۔

امتیاز بھائی نے کہا تھا۔ شاہ جہاں کو یوں اچھل کو بچاتے اسکرین پر کس کس نے نہ دیکھا ہوگا۔ اللہ جانے کس کس نے بھلا نہ دیکھا۔

مگر شاہ میر نے دیکھ لیا' پہچان لیا اور حیران بھی رہ گیا۔

"وہ... وہ تو..."

وہ متزلزل سوچوں کے ساتھ جی رہا تھا۔ کبھی ان سے گلہ ہوتا کہ وہ اس کے پیچھے کیوں نہ آئیں۔ کبھی خود کو مورد الزام ٹھہراتا کہ اسے جانا چاہیے تھا۔ وہ مرکز سے ہٹتا تھا۔ وہ دونوں ہی تھیں' خاطر ہر بار رک جاتا۔

لیکن اب جیسے اضطراب کو کنارہ مل گیا۔ وہ اس کے بغیر اتنی خوش؟

ایک بار پوچھ تو آئے۔ بدگمانی سی بدگمانی۔ باپ کی کہی بہت سی باتیں درست لگنے لگیں۔

مگر ابھی جب۔ اس نے کہا میں آرہ امتیاز کی پھوپھو کا بیٹا ہوں اور پشت سے آواز ابھری۔

"اور میں آرہ امتیاز کی پھوپھو ہوں۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"امی..." وہ شاہ جہاں سے لپٹ گیا تھا۔ "میری امی!"

☆ ☆ ☆

اور اس کے بے حد و بے حساب گلوں کے جواب میں شاہ جہاں نے اپنے دل کی ایک ایک بات اسے بتا دی جو کبھی کسی سے نہ کہی تھی اور یہ تو بالکل الگ داستان تھی اس سے۔

جس کی بنت خود اس نے کی تھی۔ کبھی کاٹ کر' کبھی اضافوں سے۔ اور اس سے بھی جو وہ اسے بتاتے تھے۔

وہ ان سے خفگی کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس سے خفا ہو کر بیٹھی تھیں۔

"پاپا مجھے امریکا لے گئے تھے۔ میں وہاں سے آ نہیں سکتا تھا۔ پاپا نے مجھے وہاں کے اسکول اور ہاسٹل میں ایڈمیشن کرا دیا۔ میں کہیں جا نہیں سکتا اور مجھ سے ملنے کے لیے ان کے علاوہ کوئی آ نہیں سکتا تھا۔ جیسے میں کسی خفیہ ایجنسی کا ایجنٹ ہوں اور پھر انہوں نے آپ کو اتنا ڈی گریڈ کیا کہ..." وہ لب بھینچ گیا۔

"میں نے آپ تک پہنچنے کے لیے کتنی محنت کی ہے' شناختی کارڈ بننے کے بعد کر لیا جمع کر کے ویزا حاصل کرنا یہ سب مشکل تھا۔ امی میں نے آپ سے رابطہ کرنے کے لیے کتنی کوششیں کی ہیں۔" وہ رو پڑا۔

کچھ دیر پہلے بھی شاہ جہاں کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

اب بھی آنسو۔

تو طے یہ پایا آنسو کا رنگ ہونا چاہیے تھا۔ خوشی

کے لیے گلابی۔ سرخ۔ عنابی۔ نارنجی۔ دکھ کے سیاہ۔ غم کے۔ سرمئی۔ اداسی کے زرد سکھ کے۔ سفید دودھیا۔

اور آنسوؤں میں خوشبو بھی ہوتی تو کیا بات تھی۔ دل خوش ہو جائے۔ نا تو ایسے اچھوتے خیال ہی آتے ہیں۔ کبھی آزما کر دیکھنا پڑے گا۔

☼ ☼ ☼

عین اسی لمحے بیا سرکارے بیٹھی تھی۔ آنٹی کی پیش گوئی کے مطابق اسے خوابوں کا شہزادہ مل گیا تھا۔ مگر ایک بھوکا شہزادہ تھا جو ہر شے کھا جانا چاہتا تھا۔ کوئی قسمت اس پر اثر نہ کرتی تھی۔

بیا کو اس کے لیے من پسند پکوان بنا کر دینا مسئلہ نہیں تھا۔ بات دراصل دکھ کی تھی کہ اگر وہ اتنے اچھے کھانے بناتی تو کیا خود نہ کھاتی۔ یہ ظلم ہوتا اس کی اپنی ذات پر۔ اس لیے ایسا کام کیوں کرے جس سے دل اتنا دکھے۔

ہر لحاظ سے آئیڈیل شوہر میں اتنا بڑا فالٹ (خامی)۔ کاش کسی طرح پہلے پتا چل جاتا اور ایسا ہی ایک کاش۔ ابوذر کے پاس بھی تھا۔ بیوی دل و جان سے پیاری تھی۔ مگر اندازے کی اتنی بڑی غلطی کیسے ہو گئی اور ہو گئی تو ہو گئی۔ مگر اسے سدھارا کیسے جائے۔

دونوں اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے کو سدھارنے کی کوشش کر رہے تھے اور خود کو ہی درست سمجھتے تھے۔ سو یہ ایک ایسا سوال تھا جس کو کسی بھی فارمولے سے حل کیا جائے، جواب غلط ہی آتا ہے۔

کتنے اچھے میاں، بیوی۔ ہر لحاظ سے آئیڈیل

مگر۔

آف۔

☼ ☼ ☼

عاشر کو صبح صبح ایراد نے فون کر کے بتا دیا تھا۔ آمنہ آگئی ہے۔ سو رہی ہے۔ عاشر کا دل بند ہوا۔ وہ ابھی تک خفا تھی۔ جب ہی تو اپنے گھر آنے کے بجائے پھوپھو کے گھر آئی۔ غلطی بھی تو اسی کی تھی۔ بس وہ بخار میں جلا ہو گا۔ سر پر چڑھ گیا تھا بخار گھر سے نکلتے ہی کیوں بھلا۔

اب ایسا کیا کرے کہ وہ مان جائے۔ صبح ہوتے ہی ہاتھ پکڑ کر لے آؤں گا۔ چیخنے کی چلانے کی گھر میں مناؤں گا۔ اب یہ اتنا بھی مشکل نہیں۔ کان پکڑ لوں گا۔

وہ ہر طریقے سے خود کو قائل کر رہا تھا کہ کس کس طریقے سے اسے منالائے۔ عاشر رومانٹک تھا۔ مگر آمنہ جتنی پریکٹیکل تھی۔ اتنا تو پریکٹیکل رب بھی نہیں ہوتا ہو گا۔ موم بتیوں اور گلاب کے سرخ پھولوں کے ساتھ منانا عاشر کو پسند تھا، مگر آمنہ نے پچھلی بار گلاب کے باسی پھولوں کو دیکھ کر تاسف کا اظہار کیا تھا۔

"ایسے ہی پھول جا بجا بکھیر دیے۔ مجھ سے ایک کار نے گل قند بنانے کی فرمائش کی تھی۔ ذہن ہی سے نکل گیا۔ اب پلیز، جو شاپرز میں موجود ہیں ان کا حشر نہ کریں۔"

اور اس کے بعد عاشر نے کیا کیا، نہ سوچا، وہ جانے یا خدا جانے۔ لیکن ابھی ہاتھ پکڑ کر لانے کا منصوبہ دہرا کا دہرا رہ گیا کہ وہ سوتا رہ گیا۔ جب آنکھ کھلی تو ٹی وی سے دیکھا۔

وہ سیاہ جینز، لیمن شرٹ۔ وہی شاپرز کا ڈھیر اٹھائے اپنی مغرور ادا سے چلتی جا رہی تھی۔ گرد و پیش سے بے نیاز۔ بہت چوڑے کا گگلز نے تو گویا چہرے کو ڈھانپ رکھا تھا۔

اور میں نے اس "بوجھ" کو زندگی بھر اٹھانے کا عہد کیا تھا۔ عاشر کے دل پر اپنے اس ظلم و ستم پر آرے سے چل گئے تھے۔ یہ تونے کیا کیا عاشر۔ خود کو کوسنے کے بعد وہ آمنہ والا کوکنگ چینل کھول کر بیٹھ گیا۔ حالانکہ شو شروع ہونے میں بڑا وقت تھا۔

پھر جب اسکرین پر تیار شیار بے حد پیاری آمنہ امتیاز جلوہ گر ہوئی تب عاشر دل تھام کر رہ گیا۔ وہ اپنے وہی مخصوص پنیر پکوڑے، براؤن کڑی اور ڈیزرٹ بنا رہی تھی۔ ساتھ ہی لائیو کالز کا سلسلہ بھی تھا۔

"آمنہ جی! کہتے ہیں، مرد کے دل کا راستہ معدے سے گزرتا ہے۔ میرے میاں مجھ سے خفا ہیں، پلیز کچھ ایسا پکانا سکھائیں، وہ مان جائیں۔" ایک کالر بین کر کہہ رہی تھی۔

آمنہ نے پتیلی میں چمچہ لہرا کر آنچ دھیمی کی اور مسکرائی۔

"کھانے کے لیے آلو گوشت بنائیں اور خفگی کے لیے منائیں۔ جیسے کہ میں۔ سوری عاشر۔ غلطی میری تھی۔ پلیز۔"

عاشر کے سر پر چھت گر پڑتی تب بھی۔ کیمرے کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بولتی آمنہ کے جملے سے جو تباہی دل پر بپا ہوئی۔

"بھئی میرے میاں خفا ہوں تو میں تو کم از کم ایسے ہی مناتی۔ اگر آپ کی غلطی پر ہیں تو پہل کر لینی چاہیے اور اگر غلطی آپ کی نہیں ہو، تب بھی آگے بڑھ کر کہہ دیں کہ چلیں اب بس بھی کر دیں، دوستی کر لیں۔ انہیں خود احساس ہو جائے گا۔"

تسلی سے بیٹھا عاشر کھڑا ہو گیا۔ اس کے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی۔ آمنہ اور ایسا انداز۔ اس نے کالر کا مسئلہ بھی حل کیا۔ معافی بھی مانگ لی اور بات سنبھال بھی لیا۔

وہ اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر آمنہ کو سننے لگا جو کالر کی فرمائش پر کسی ڈش کے سکھا دینے کا وعدہ کر رہی تھی۔

اور ابھی پروگرام کے آخری پانچ منٹ باقی تھے۔ جب تیمور نے بھابھی کے کرنے سے کچھ ایسے اشارے کیے جو آمنہ کے سر سے گزرے۔ پھر اس نے دیکھا کیمرہ مین سے بہت پیچھے وہ عاشر تھا۔ دونوں ہاتھ کان پر دھرے تھے، چہرہ شرمسار۔

"ایراد کو سارا پروگرام دے دیا تھا۔ ناک سے لکیریں کھینچنے کی عملی پریکٹس بھی کی تھی، دیکھو میری سرخ ناک۔ مگر بس پھر میں سوتا رہ گیا۔"

"مجھے کسی کی گواہی نہیں چاہیے۔" آمنہ مسکرائی۔ "کمال ختم۔"

اور تیمور سوچ رہا تھا۔ زندگی میں ایک تو "کمی" کسک رہ جاتی ہے، رہ جانی بھی چاہیے کہ پھر زندگی جمود کا شکار نہ ہو جائے۔ رواں مکمل چیزوں کو ان کے ذرا سے نقص کے ساتھ قبولنا چاہیے۔

کاملیت اور پرفیکشن کتنی ناممکن ہے کہ جب انسان خطا کا پتلا ہے۔

شاہ میر سوچ رہا تھا۔ باپ مل گیا تھا۔ اب ماں سے بھی مل لیا۔ مگر دونوں سے اکٹھے ایک جگہ شاید کبھی نہ مل سکے۔ وہی ایک کمی۔ ایک کسک "تو سینے میں دبی رہ جاتی ہے۔"

ایراد کے دل سے بھی دھواں اٹھتا تھا۔ اتنی کامیابی اور اتنی ناکامی، کیا کیا نہ سوچا تھا۔ ایک دوسرے کے نام سے مشہور تو ہو گئے۔ مگر دل پھر بھی خوش نہ ہوا، تو ہائے۔

اور ان سب سے پرے شاید آفریدی سوچ رہا تھا۔ اتنی کم عمری پیاری فین کا جا کر شکریہ ادا کرنا تو بنتا ہے۔

آپ جتنے بھی بڑے کھلاڑی ہوں، کتنا بھی اچھا پرفارم کر لیں۔ اگر آپ کے کانوں میں ہمت بڑھاتے جملے اور نعرے نہ پڑیں تو مورال کیسے ڈاؤن ہو جاتا ہے۔

لیکن وہ بس تصاویر دیکھ کر ہی شکر گزار ہو سکتا تھا۔ اگر وہ ڈھونڈ ڈھانڈ کر ایک ملاقات کو چلا بھی جائے تو میڈیا کا تو پتا ہے نا کیسے بات کا ابلتے ہیں۔

سو اس نے بھی ایک ٹھنڈی آہ بھری اور صفحہ پلٹ دیا۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com